مجلس انصاراللہ یوکے کا علمی تعلیمی وتربیتی مجلہ

انصارالدین

وفاء۔ظہور جلد 9 نمبر 4 جولائی۔اگست 2012



حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایداللہ بنصرہ العزیز
کیپٹل ہل میں خطاب کے بعد باہر تشریف لا رہے ہیں

© Alislam.org
Photo by: Ajaz Kh

﴿بسم الله الرحمٰن الرحیم　نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریمؑ　وعلیٰ عبده المسیح الموعودؑ﴾

انصارالدین

جلد 9　نمبر 4　جولائی تا اگست 2012ء

انصاراللہ کا عہد

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْکَ لَهٗ
وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام اور احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظام خلافت کی حفاظت کے لئے انشاءاللہ تعالیٰ آخردم تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔ نیز مَیں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔ (انشاءاللہ تعالیٰ)

فہرست مضامین

مجلس انصاراللہ برطانیہ کا

سالانہ اجتماع و مجلس شوریٰ

مجلس انصاراللہ برطانیہ کا سالانہ اجتماع اور مجلس شوریٰ 5 تا 7 / اکتوبر 2012ء (بروز جمعۃ المبارک، ہفتہ اور اتوار) بمقام مسجد بیت الفتوح لندن منعقد ہوگا۔ انشاءاللہ تعالیٰ

تمام انصار بھائیوں سے درخواست ہے کہ شمولیت کو بروقت یقینی بنانے کے لئے ابھی سے تیاری شروع کر دیں۔

پروگرام کا آغاز بروز جمعہ صبح دس بجے ہوگا۔

صدر مجلس انصاراللہ
چودھری وسیم احمد
مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر شمیم احمد
مدیر: محمود احمد ملک
نائبین: نوید احمد، حبیب الرّحمٰن غوری

مینیجر: محمود علی مرزا
ترسیل: فیاض احمد ملھی (انچارج)
زاھد احمد باجوہ، شھباز احمد، ارشد محمود،
ادریس احمد بٹر، محمد اختر،
میاں اخلاق احمد، رانا ظهور احمد

"Ansaruddin" 181 London Road, Morden, Surrey SM4 5HF　e-mail address: ansaruddinuk@hotmail.com

درس القرآن

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا
وَّاِذَاخَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾

(سورۃ الفرقان آیت:64)

ترجمہ: اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو (جواباً) کہتے ہیں "سلام"۔

عاجزی اور انکساری ایک ایسا خلق ہے جب کسی انسان میں پیدا ہو جائے تو اس کے ماحول میں اور اس سے تعلق رکھنے والوں میں باوجود مذہبی اختلاف کے جس شخص میں یہ خلق ہو اس پر انگلی اٹھانے کا موقعہ نہیں ملتا بلکہ اس خُلق کی وجہ سے لوگ اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں، اس سے تعلق رکھنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ ہمیں تاریخ انسانی میں سب سے زیادہ عاجزی اگر کسی میں نظر آتی ہے تو وہ آنحضرت ﷺ کی ذات ہے چنانچہ باوجود خاتم الانبیاء ہونے کے آپ اپنے ماننے والوں کو یہی فرماتے ہیں کہ مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو اور اس یہودی کو بھی پتہ تھا کہ باوجود اس کے کہ میں یہودی ہوں اور جھگڑا میرا مسلمان سے ہے اور پھر معاملہ بھی آپ ﷺ کی ذات سے تعلق رکھتا ہے اپنے اس جھگڑے کا معاملہ آپ ﷺ کے پاس ہی لاتا ہے، آپ کی خدمت میں ہی پیش کرتا ہے۔ کیونکہ مذہبی اختلاف کے باوجود اس کو یہ یقین تھا اور وہ اس یقین پر قائم تھا کہ یہ عاجز انسان ﷺ کبھی اپنی بڑائی ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کریں گے اور اس یہودی کو یہ بھی یقین تھا کہ میرا دل رکھنے کے لئے اپنے مرید کو یہی کہیں گے کہ مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو۔ یہ یقین اس لئے قائم تھا کہ آپ کی زندگی جو زندگی اس یہودی کے سامنے تھی اس سے یہی ثابت ہوتا تھا اور آپ کا یہ حسن خلق اس کو پتہ تھا اور یہ حسنِ خلق آپ میں اس لئے تھا کہ وہ شرعی کتاب جو آپ پر اتری یعنی قرآن کریم اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو میں نے آیت پڑھی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو جواباً کہتے ہیں سلام۔ یعنی جھگڑے کو بڑھاتے نہیں بلکہ وہیں معاملہ نپٹا کر ایک طرف ہو جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی جھگڑا کرنے کی کوشش بھی کرے تو اس کو آگے نہیں بڑھنے دیتے۔ جاہلوں کی طرح ذرا ذرا سی بات پر سالوں جنگیں لڑنے کی ان کو عادت نہیں ہے۔ تو یہ ہے وہ حسن خلق جو آنحضرت ﷺ میں تھا اور جو آپ اپنی امت میں پیدا کرنا چاہتے تھے۔

حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

نماز جمعہ کی اہمیت

سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جمعہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"طارق بن شہابؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ جمعہ ادا کرنا ایسا حق ہے جو واجب ہے یعنی فرض ہے سوائے چار قسم کے افراد کے یعنی غلام، عورت، بچہ اور مریض۔

(ابو داؤد۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب الجمعة للمملوك والمرأة)

تو ان چار کو چھوٹ دی گئی ہے۔ خاص طور پر بچوں والی عورتیں جن کے بالکل چھوٹے بچے ہیں جن کے رونے یا شور کرنے سے دوسرے ڈسٹرب ہو رہے ہوں ان کی نماز خراب ہو رہی ہو خطبہ سننے میں دقت پیدا ہو رہی ہو ان کے لئے تو بہتر یہی ہے کہ وہ گھر میں ہی رہیں، گھر میں ہی نماز ادا کر لیا کریں۔ یہ جو چھوٹ دی گئی ہے یہ اپنی تکلیف یا مجبوری کے علاوہ دوسروں کو تکلیف سے بچانے کے لئے بھی ہے۔ اور پہلے یہاں ذکر ہے غلام کا، غلام تو اس زمانے میں رہے نہیں لیکن بعض دفعہ شیطان نفس میں ڈال دیتا ہے ملازم پیشہ سمجھتے ہیں کہ شاید ہم اس کی کیٹگری میں آ گئے۔ وہ اس میں نہیں ہیں، میں واضح کر دوں۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ چھوٹے بچوں والی عورتوں کو تو جمعہ پڑھانے کی بالکل بھی ضرورت نہیں ہے۔ خدا کے نبی ﷺ نے یہ چھوٹ دی ہے تو اس سے فائدہ اٹھائیں اور جمعہ کے آداب کے لحاظ سے بھی ضروری ہے۔ جمعہ کا خطبہ جو ہے وہ بھی جمعہ کا حصہ ہے۔ اس لئے اس میں بھی خاموش بیٹھنا ضروری ہے۔ بچوں کے بولنے کی وجہ سے ماں باپ ان کو چپ کرواتے ہیں چاہے وہ آہستہ آواز میں چپ کروا رہے ہوں تو ساتھ بیٹھے ہوئے کو پھر بھی تکلیف ہوتی ہے، خاص طور پر عورتوں کی طرف سے کافی شکایتیں آتی ہیں۔ اس لئے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ چھوٹے بچے اور ان کی مائیں گھر پر ہی رہیں۔ ہاں عید پر آنے کا حکم ہے اس پر ضرور آیا کریں۔"

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان بابرکت نصائح پر کماحقہٗ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

کلام الامام علیہ السلام

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اے تمام لوگو سُن رکھو کہ یہ اُس کی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلاوے گا۔ اور حجت اور برہان کے رو سے سب پر ان کو غلبہ بخشے گا۔ وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہو گا جو عزت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ خدا اس مذہب اور اس سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالے گا اور ہر ایک کو جو اس کے معدوم کرنے کا فکر رکھتا ہے نامراد رکھے گا۔ اور یہ غلبہ ہمیشہ رہے گا۔ یہاں تک کہ قیامت آجائیگی۔ اگر اب مجھ سے ٹھٹھا کرتے ہیں تو اس ٹھٹھے سے کیا نقصان کیونکہ کوئی نبی نہیں جس سے ٹھٹھا نہیں کیا گیا۔ پس ضرور تھا کہ مسیح موعود سے بھی ٹھٹھا کیا جاتا۔''

''اگر یہ علماء موجود نہ ہوتے تو اب تک تمام باشندے اس ملک کے جو مسلمان کہلاتے ہیں مجھے قبول کر لیتے۔ پس تمام منکروں کا گناہ ان لوگوں کی گردن پر ہے۔ یہ لوگ راستبازی کے محل میں نہ آپ داخل ہوتے ہیں نہ کم فہم لوگوں کو داخل ہونے دیتے ہیں۔ کیا کیا مکر ہیں جو کر رہے ہیں اور کیا کیا منصوبے ہیں جو اندر ہی اندر اُن کے گھروں میں ہو رہے ہیں۔ مگر کیا وہ خدا پر غالب آجائیں گے اور کیا وہ اُس قادر مطلق کے ارادہ کو روک دیں گے جو تمام نبیوں کے زبانی ظاہر کیا گیا ہے۔ وہ اس ملک کے شریر امیروں اور بدقسمت دولتمند دنیاداروں پر بھروسا رکھتے ہیں۔ مگر خدا کی نظر میں وہ کیا ہیں۔ صرف ایک مرے ہوئے کیڑے۔''

(تذکرۃ الشہادتین، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ:67)

''وہ خدا نہایت وفادار خدا ہے اور اپنے وفاداروں کے لئے اُس کے عجیب کام ظاہر ہوتے ہیں۔ دنیا چاہتی ہے کہ ان کو کھا جائے اور ہر ایک دشمن ان پر دانت پیستا ہے مگر وہ جوان کا دوست ہے ہر ایک ہلاکت کی جگہ سے ان کو بچاتا ہے اور ہر ایک میدان میں ان کو فتح بخشتا ہے۔ کیا ہی نیک طالع وہ شخص ہے جو اس کا دامن نہ چھوڑے۔''

(روحانی خزائن جلد 19- کشتی نوح صفحہ 20)

فرمودات
حضرت خلیفۃالمسیح الخامس
ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

حکم ہے تو یہ کہ جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کی طرف بلایا جائے تو اس پیارے ذکر کی طرف جلدی کرتے ہوئے دوڑو۔ یہ خیال دل میں نہ لاؤ کہ تھوڑا سا یہ کام رہتا ہے اسے پورا کرلوں پھر جاتا ہوں۔ یہاں اکثر دیکھا گیا ہے کہ خطبہ شروع ہونے کے وقت اس مسجد کا ہال نصف سے بھی کم بھرا ہوتا ہے اور اس کے بعد آہستہ آہستہ لوگ آنا شروع ہوتے ہیں اور جگہ بھرتی چلی جاتی ہے۔ صرف یہاں نہیں، باقی دنیا میں بھی یہی حال ہے بلکہ بعض لوگ خطبہ ثانیہ کے دوران آ رہے ہوتے ہیں۔ بعض کو تو کام سے رخصت کی مجبوریاں ہیں، بعض کو بعض دفعہ ٹرانسپورٹ کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے لیکن بعض عادی بھی ہوتے ہیں اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ جتنا دیر سے جاسکیں، جتنا لیٹ جاسکیں جایا جائے تا کہ نماز میں شامل ہو کر فوری واپس آجائیں یا تھوڑا سا خطبے کا حصہ سن لیں تو یہی کافی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ سب سے پہلے آنے والے کو پہلا لکھتے ہیں اور پہلے آنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اونٹ کی قربانی کرے۔ پھر بعد میں آنے والا اس کی طرح ہے جو گائے کی قربانی کرے، پھر مینڈھا یعنی بھیڑ بکرا، پھر مرغی اور پھر انڈے کی قربانی کرنے والے کی طرح، پھر جب امام منبر پر آ جاتا ہے تو وہ اپنے رجسٹر بند کر لیتے ہیں اور ذکر کو سننا شروع کر دیتے ہیں۔ (بخاری کتاب الجمعة باب الاستماع الی الخطبة یوم الجمعة)

تو دیکھیں جمعہ کے لئے جلدی آنے کی اہمیت کس طرح واضح فرمائی۔......

بعض کام کرنے والے لوگ ایسے ہیں جن کو مجبوریاں ہوتی ہیں لیکن ایک ایسی تعداد بھی ہے جس میں یہ احساس ہی نہیں ہے کہ جمعہ پہ وقت پر جانا ہے۔ اکثر یہاں بہت سارے لوگ میرے سامنے مسجد کے اگلے حصے میں بیٹھے ہوتے ہیں، تقریباً نوے فیصد شاید وہی چہرے ہوتے ہیں اور آج بھی وہی ہیں۔ ان میں سے بعض کو میں جانتا ہوں وہ کام بھی کرتے ہیں اور عموماً یہاں اکثر لوگ اپنے کام کر رہے ہیں، کوئی ٹیکسی چلا رہا ہے کوئی دوسرے کام کر رہا ہے۔ تو یہ جلدی آنے والے بھی اور لیٹ آنے والے بھی اور نہ آنے والے بھی، ان کے کاموں کی نوعیت تقریباً ایک جیسی ہوتی ہے، تو وقت پر نہ آنا صرف نفس کا بہانہ ہے۔ آخر جو وقت پر آ کر بیٹھ جاتے ہیں، یہ بھی تو اپنے کام کا حرج کر کے آ رہے ہوتے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو یاد رکھیں کہ جمعہ کی نماز پر جلدی آؤ اور اپنی تجارت، اپنے کاروبار اور اپنے کام چھوڑ دیا کرو اور ہمیشہ یاد رکھو کہ رزق دینے والی ذات خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ اگر اس کے حکم پر عمل کرتے ہوئے، بظاہر نقصان اٹھاتے ہوئے بھی جمعہ کے لئے آؤ گے تو خدا تعالیٰ ایسے سامان پیدا فرما دے گا کہ جس نقصان سے تم ڈر رہے ہو وہ نہیں ہوگا اور اگر بالفرض کہیں کوئی تھوڑی بہت کمی رہ بھی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس وجہ سے تمہیں اور ذریعوں سے برکتوں سے بھر دے گا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ شرف انسانیت کا قیام

(مکرم محمد طاہر ندیم صاحب کی جلسہ سالانہ یوکے 2012ء کے موقع پر کی گئی تقریر)

آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے دنیا کی حالت عموماً اور ملک عرب کی خصوصاً انتہائی خراب تھی۔ ملکِ عرب کے باسی ایک وحشی قوم تھے، درندگی اور بہیمیت ان کے اخلاق وعادات کا جزو بن چکی تھی۔ اگر کہیں اخلاق فاضلہ اور انسانی اقدار کی کوئی رمق تھی بھی تو وہ اپنی قوم اور قبیلے تک ہی محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ گو شجاعت اور بہادری بھی تھی لیکن ایسی بے قید کہ اس سے ظلم وبربریت کی داستانیں رقم ہوتی تھیں اور ذرا ذرا سی بات پر بھی ہر ایک کی شمشیرِ بے نیام انسانی خون سے سرخ پوش ہونے کو بے قرار رہتی تھی۔ انسان تو انسان، جانور بھی ان کے جوروستم اور روح فرسا مظالم سے محفوظ نہ تھے۔

انسان نے اپنا شرف اس حد تک کھو دیا تھا کہ خدا کو بھول کر شجر حجر کے علاوہ اپنی ساختہ پرداختہ مورتیوں اور بتوں کے آگے بھی سجدہ ریز ہوتا تھا۔

انسانی قدریں پامال اور شرف انسانی تار تار تھا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ سسکتی بلکتی انسانیت شرف انسانی کے کسی قیم کو صدائیں دے رہی تھی۔

ایسے میں ہمارے سیّد ومولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا، جہالت کی تاریکیوں کو اُجالوں میں بدلنے کے لئے سراج منیر طلوع ہوا، شرف انسانی کا وہ قیم مبعوث ہوا جس نے پستیوں سے اٹھا کر انسان کو اشرف المخلوقات کے مقامِ حقیقی پر لا کھڑا کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر جہاں اربابًا من دون اللّٰہ کو چھوڑ کر خدائے واحد ویگانہ کے سامنے سربسجود ہونے کے لئے بلایا وہاں پہلی دفعہ انسانیت کا شرف قائم کرنے کے لئے یہ اعلان بھی کیا گیا کہ اے تمام دنیا کے انسانو! تم سب کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا گیا ہے اور تمہارے گروہ اور قبائل محض باہمی پہچان کے لئے بنائے ہیں۔ آج سے ذات پات اور نسلی امتیازات کالعدم ہیں۔ آئندہ عزت وفضیلت کا معیار نیکی اور تقویٰ ہوگا۔ (الحجرات:14)

آپ نے اس تعلیم کا خود عملی نمونہ بھی پیش فرمایا:

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض غلاموں، کمزوروں اور غریب صحابہؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ عرب کے بعض سردار آئے اور کہنے لگے کہ ہم ان غریب، مفلس اور نچلے طبقہ کے لوگوں کی موجودگی میں آپ کے پاس نہیں بیٹھ سکتے اس لئے ان کو اٹھا دیں۔ لیکن وہ نبی جو رنگ ونسل اور اعلیٰ وادنیٰ کی تفریق کے بتوں کو توڑنے اور انسانیت کا شرف قائم کرنے کے لئے آیا تھا اس نے سرداروں کی خاطر غریبوں کو مجلس سے اٹھانے سے انکار کر دیا۔ (ابن ماجہ)

وہ معاشرہ جس میں اس بات کا تصور ہی نہ تھا کہ ہر شخص کا بحیثیت انسان ایک مقام ومرتبہ اور ایک شرف ہے اس معاشرے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ احترام آدمیت اور شرف انسانیت کو قائم کرنے کے لئے یہ اعلان بھی کروایا گیا کہ:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾ (الاسراء: 71)

یعنی ہم نے بنی آدم کی تکریم اور شرف قائم کیا ہے اور اسے کثیر مخلوقات پر فضیلت بخشی ہے۔

اس فضیلت وتکریم کا لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہئے کہ بنی آدم بہیمیت اور وحشیانہ طور طریقوں کو چھوڑ کر مہذب اقدار اور اعلیٰ اخلاق سے آراستہ زندگی گزاریں۔ اور بنی آدم ہونے کے ناطے کوئی انسان دوسرے انسان کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھے، اور کسی کے ساتھ شرف انسانیت سے گرا ہوا سلوک نہ کرے۔

زمانہ جاہلیت میں بیماروں، جسمانی عوارض میں مبتلا افراد اور معذوروں کے ساتھ نہایت ذلت آمیز سلوک کیا جاتا تھا۔ انہیں حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا، ان کے ساتھ مل کر کھانا کھانا بھی معیوب سمجھا جاتا اور مقدس مقامات میں ان کا داخلہ ان مقامات کی بے حرمتی گردانا جاتا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انسانیت کے معنوں سے ناآشنا اس طبقہ کے لئے یہ اعلان کیا گیا کہ: ﴿لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ (الفتح: 18) یعنی اندھوں لنگڑوں اور بیماروں سے اب یہ نہیں کہا جائے گا کہ ان کے آنے سے خدا کے مقدس مقامات کی بے حرمتی ہوتی ہے بلکہ اگر اندھا لنگڑا یا بیمار اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا دم بھرنے والا ہے تو اپنی معذوری کی وجہ سے دینی کاموں اور جہاد میں بظاہر شریک نہ ہو سکنے کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ اسے ثواب سے محروم نہیں کرے گا۔

اس بارہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کو دیکھئے کہ کتنا حسین ہے۔ مال غنیمت کی تقسیم ہوتی ہے تو آپ اپنے نابینا صحابی کے حصے کی چادر الگ سنبھال کر رکھ لیتے ہیں۔ کسی کی بیماری کا پتہ چلتا ہے تو نہ صرف یہ کہ خود اس کی تیمارداری کے لئے تشریف لے جاتے ہیں بلکہ اسے ثواب عظیم کے ساتھ ساتھ روزِ قیامت کی ہولناکیوں سے نجات کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ بلاشبہ شرف انسانی کے قیم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طبقہ پر یہ احسانِ عظیم ہے۔

آنحضورﷺ کی بعثت کے وقت غلاموں سے بھی نہایت حقارت آمیز سلوک کیا جاتا، منڈیوں اور بازاروں میں ان کی خرید وفروخت ہوتی اور انسان ہوتے ہوئے بھی یہ انسانیت کے دائرہ سے باہر خیال کئے جاتے حتیٰ کہ اگر کوئی خوش نصیبی سے آزادی بھی پالیتا تب بھی یہ حقارت وذلت اس کا پیچھا نہ چھوڑتی۔ آپؐ نے انسانیت کے پسے ہوئے اس طبقے کو بھی ذلت کی اتھاہ گہرائیوں سے اٹھا کر عزت وتکریم کی بلندیوں تک پہنچا دیا اور یہ تعلیم دی کہ: تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے غلاموں کے ساتھ بہتر ہو۔

اُس زمانہ میں غلاموں کو جانوروں کی طرح مارا جاتا تھا۔ رسول کریمؐ نے اس

بات سے سختی سے منع فرماتے ہوئے وصیت کی کہ دن میں ستر دفعہ بھی غلام کو معاف کرنا پڑے تو کرو۔ اس ضمن میں ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

''روایت میں آتا ہے۔ سات بھائی تھے اور اُن کے پاس ایک مشترک غلام تھا۔ ایک موقع پر ایک بھائی کو غلام پر غصہ آیا تو اُس نے اُس کو زور سے ایک طمانچہ مار دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں جب یہ بات آئی تو آپ نے فرمایا اس غلام کو آزاد کردو۔ تمہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس غلام کو رکھو کیونکہ تمہیں غلام سے حسنِ سلوک ہی نہیں کرنا آتا۔'' (از خطبہ جمعہ 11-11-25) چنانچہ انہوں نے اسے آزاد کردیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ: تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کردیا ہے۔ جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو وہ اُسے اُس میں سے کھلائے جس میں سے وہ خود کھاتا ہے۔ اور ویسا ہی لباس پہنائے جیسا خود پہنتا ہے۔ (بخاری)

پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت کے بعد بعض صحابہ اور ان کے غلاموں کو ایسی حالت میں بھی دیکھا گیا کہ دونوں نے ایک جیسا لباس پہنا ہوا تھا۔

اس طرح آپؐ نے شفقت اور احسان کے سلوک کی تعلیم دے کر غلاموں کو آقا کے برابر لا کھڑا کیا اور انہیں اخوت کے مقدس اور مضبوط رشتہ میں باندھ دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کو اس قدر عزت و تکریم کا مقام عطا فرمایا کہ چشم فلک نے یہ بھی دیکھا کہ دین و دنیا کا یہ حاکم کبھی غلاموں کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھلا اور پلا رہا ہے تو کبھی لوگوں کی نظر میں ایک دھتکارے ہوئے غلام سے سرِ بازار لاڈ کر رہا ہے۔ کبھی بڑے بڑے معززین کو ایک غلام زادے کی قیادت میں عام سپاہی کے طور پر شامل کر رہا ہے تو کبھی شاہی خاندان کی خاتون کی شادی ایک غلام سے کرا رہا ہے۔ غرض اس طبقہ کو شرف عطا کرنے کا کوئی پہلو نظر انداز نہ ہونے دیا۔

یہی نہیں بلکہ مکہ کے گلی کوچوں میں ذلت و تحقیر کا نشانہ بنائے جانے والے بلال کو فتح مکہ کے دن عزت و شرف کی دولت بانٹنے والا قرار دے کر یہ اعلان فرمایا کہ جو بلال کے جھنڈے کے نیچے آجائے گا اسے امان دی جائے گی۔ اور پھر اسی دن جب کئی سالوں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلی مرتبہ خانہ خدا میں داخل ہوئے تو اِس وقت بھی رحمتِ دوعالم نے یہ اعزاز ایک غلام اور ایک غلام زادے کو بخشا اور حضرت بلال اور حضرت اسامہ بن زید کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔

اسی عزت و تکریم اور مقام کی وجہ سے امیر المومنین حضرت عمرؓ بھی حضرت بلال کو سیّدنا بلال کہہ کر بلایا کرتے تھے۔

بعثت نبوی سے قبل جنگوں میں اسیر کئے جانے والے قیدی بھی شرف انسانیت سے محروم اور ذلت و تحقیر کا شکار تھے۔ بہیمیت سے بھی نچلے درجہ پر اتر کر ان پر ایسے ظلم توڑے جاتے جن کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس طبقہ کو بھی شرف انسانیت عطا ہوا، اور ان کے بارہ میں بھی ایسی حسن سلوک کی تعلیم دی گئی کہ سر ولیم میور جیسا مخالف بھی یہ کہنے پر مجبور ہوگیا کہ: مسلمان خود بھوکے رہ کر بھی اپنے غیر مسلم جنگی قیدیوں کو کھانا مہیا کرتے تھے۔

ایسا کیوں نہ ہوتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کے بارہ میں مسلمانوں کو یہی ہدایت فرمائی تھی۔

ابوعزیز بن عمیر، حضرت مصعبؓ بن عمیر کے بھائی تھے اور جنگ بدر کے 70 قیدیوں میں سے ایک تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں انصار کے ایک گھرانے میں قید تھا۔ جب وہ صبح یا شام کا کھانا کھاتے تو مجھے خاص طور پر روٹی مہیا کرتے اور خود کھجور پر گزارا کرلیتے۔ ان میں سے کسی فرد کے ہاتھ میں روٹی کا کوئی ٹکڑا آجاتا تو وہ مجھے پیش کردیتا۔ میں شرم کے مارے واپس کرتا مگر وہ مجھے ہی لوٹا دیتے۔ (ابن ہشام)

بعض قیدی جو فدیہ کی طاقت نہیں رکھتے تھے مگر لکھنا پڑھنا جانتے تھے، انہیں شرف انسانی کا آئینہ دار اعلیٰ سلوک کرتے ہوئے یہ اختیار دیا گیا کہ اگر وہ انصار کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں تو آزاد ہونگے چنانچہ جب بچے لکھنے پڑھنے کے قابل ہوجاتے تو ان قیدیوں کو آزاد کردیا جاتا۔ (طبقات ابن سعد)

بعثتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت مختلف اقوام و قبائل باہم برسرپیکار تھے۔ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً کا نمونہ پیش کیا جاتا تھا یعنی مفتوح دشمن کی بستیوں کو تباہ و برباد کردیا جاتا، دشمنوں کے ساتھ ایسا انسانیت سوز سلوک کیا جاتا اور ایسے اذیت ناک طریق پر انہیں موت کے گھاٹ اتارا جاتا کہ جیسے وہ انسان ہی نہ ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دشمنوں کے ساتھ شرف انسانی کی اعلیٰ قدروں کو قائم کرنے والا ایسا حسین سلوک فرمایا جو انسانیت کی جبین پر رہتی دنیا تک تاج بن کر سجا رہے گا اور جس کی انسانیت ہمیشہ ہمیش کے لئے ثناخواں رہے گی۔

کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے ایسے دشمن تھے جنہوں نے سالہا سال تک مظالم کے پہاڑ توڑے اور ظلم و بربریت کی داستانیں رقم کیں۔ اِن دشمنوں کو قحط کا سامنا ہوا تو آپ نے نہ صرف ان کی زندگی اور ہدایت کے لئے دعائیں کیں بلکہ غلے وغیرہ کے ذریعہ بھی ان کی مدد فرمائی۔

اس حسن سلوک کے باوجود اہل مکہ کے مظالم اور شدائد میں کمی نہ آئی حتیٰ کہ فتح مکّہ کا تاریخی دن آگیا۔ جب یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر جھکائے اپنے مظالم کی شدید سے شدید سزا کے منتظر تھے۔ اِس دن کا حال بیان کرنے سے پہلے آیئے ذرا اس دور پر ایک نظر ڈال کے یہ تو دیکھیں کہ ایسے موقعہ پر دشمن کے ساتھ کیسا سلوک کیا جاتا تھا؟

جاہلیت کے زمانے میں جبلِ اُوارہ پر بنوشیبان اور حمیری بادشاہ منذِر کے مابین جنگ ہوئی جس میں بنوشیبان کو شکست ہوئی۔ منذر نے اس مفتوح قوم کے سینکڑوں آدمیوں کو کوہِ اُوارہ کی چوٹی پر بٹھا کر قتل کرانا شروع کیا اور کہا کہ جب تک ان کا خون پہاڑ کی چوٹی سے بہہ کر اس کے دامن تک نہ پہنچ جائے میری قسم پوری نہ ہوگی۔ ایسی ظالمانہ قسم کو پورا کرتے کرتے مقتولین کی تعداد سینکڑوں سے تجاوز کرگئی بالآخر اسے خون پر پانی ڈال کر اپنی قسم پوری کرنی پڑی۔

فتح مکہ کے موقعہ پر شاید حمیری بادشاہ کا واقعہ بھی کفارِ مکہ کے ذہنوں میں گردش کررہا ہو، شاید انہیں یہ بھی احساس ہورہا ہو کہ وہ کوئی عام دشمن نہ تھے، بلکہ یہ تو وہ لوگ تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتیں پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ انہی لوگوں میں مسلمان غلاموں کو مکہ کی گلیوں میں گھسیٹنے والے، اور مسلمان عورتوں کو بیدردی سے شہید کرنے والے بھی تھے۔ انہی لوگوں میں آپ کے چچا

حضرت حمزہ کا کلیجہ چبانے والے، اور آپ کی صاحبزادی زینب پر حملہ کر کے حمل ساقط کرنے والے شامل تھے۔

ان لوگوں نے قدم قدم پر اپنے ظلم وستم سے انسانیت کے شرف کو پامال کیا تھا۔اس لئے آج یہ شدید سے شدید سزا کے منتظر تھے۔

لیکن کیا ہوا؟ اُس روز بازاروں میں کوئی خون ریزی نہیں ہوئی، مقتولوں کی لاشیں نہیں گرائی گئیں، کسی کو مکہ سے نہیں نکالا گیا۔حتیٰ کہ کسی ایک معصوم کو بھی ماں باپ سے جدا نہیں کیا گیا بلکہ آپ نے عام معافی کا اعلان کر کے اپنے اسوہ سے ہمیں سمجھا دیا کہ انسانی شرف کا تقاضا یہ ہے کہ جب دشمن پر دسترس حاصل ہو جائے اور وہ شرمندہ و نادم ہو تو پھر اسے معاف کر دیا جائے۔ یوں آپ نے ایسا انتقام لیا جس پر رہتی دنیا تک شرفِ انسانیت نازاں رہے گا! کیونکہ آپؐ نے تو:

لیا ظلم کا عفو سے انتقام　　علیک الصلوٰۃ علیک السلام

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جاہلیت کے اُس دور میں ہوئی جب اولاد اور بچوں کے حقوق بھی بری طرح پامال کئے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ بعض بچے افلاس کی وجہ سے پیدائش سے قبل ہی قتل کر دیئے جاتے تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آ کر ان معصوموں کے سر پر بھی شرف وتکریمِ انسانی کا تاج رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ" أکرموا أولادکم ۔اپنی اولاد کی بھی عزت وتکریم کیا کرو۔اور ان کی عمدہ تربیت کرو۔" (ابن ماجہ کتاب الادب)

آپ نے بچوں کے قتل کو ناجائز قرار دیا خواہ وہ مسلمانوں کے ہوں یا غیروں کے۔ چنانچہ جب ایک غزوہ میں مشرکین کے چند بچے مارے گئے۔تو آپؐ کو اس کا بہت رنج اور دکھ ہوا۔کسی صحابی نے کہا: یارسول اللہ، وہ مشرکوں کے بچے تھے۔ آپ نے فرمایا خبردار بچوں کو قتل مت کرنا۔خبردار بچوں کو گرفتار مت کرنا۔ پھر فرمایا کہ ہر بچہ فطرت صحیحہ لے کر پیدا ہوتا ہے۔(مسند احمد بن حنبل)

ایک عورت آپ کے پاس اپنا بچہ لے کر آئی اور عرض کی کہ یارسول اللہ میرا یہ بیٹا ہمیشہ بیمار ہی رہتا ہے۔دعا کریں کہ یہ مر جائے تا اسے تکلیفوں سے نجات مل جائے۔آپ نے فرمایا میں اس کے مرنے کی بجائے یہ دعا کروں گا کہ یہ تندرست ہو کر جوان ہو اور جہاد میں شریک ہو کر شہادت کا رتبہ پائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس بچہ نے جوان ہو کر میدان جنگ میں شہادت پائی۔شرف انسانیت کے قیام کی یہ کیسی عظیم مثال ہے کہ وہ بچہ جس کی ماں اسکی موت کی تمنا لے کر آئی تھی آپ نے اسے ایسی زندگی کی دعائیں دیں جسے قرآن کریم نے شہادت یعنی ہمیشہ کی زندگی قرار دیا ہے اور موت کہنے سے بھی روکا ہے۔

عرب میں ایسے شقی القلب لوگ بھی تھے جو بچوں سے شفقت اور محبت روا رکھنا ناجائز خیال کرتے تھے۔آپ نے اس بارہ میں بھی ان معصوم فرشتوں کا شرف قائم فرمایا: ایک دفعہ آپؐ اپنے نواسوں کو پیار سے چوم رہے تھے کہ ایک بدوی سردار نے کہا: میرے دس بچے ہیں میں نے تو کبھی کسی کو نہیں چوما۔آپؐ نے فرمایا اللہ نے تیرے دل سے رحمت نکال لی ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں۔(بخاری کتاب الادب)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں سے محبت وشفقت اور ان کے اکرام کا یہ عالم تھا کہ آپ اگر سواری پر سوار ہوتے تو راستے میں جو بچے مل جاتے انہیں اپنے ساتھ آگے پیچھے بٹھا لیتے۔راستہ میں چلتے بچوں کو خود سلام کرتے۔کوئی نیا پھل آتا

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ ارشاد فرماتے ہیں

"مجھ کو کسی سے خود کوشش کر کے مباحثہ کرنے کی نہ کبھی خواہش ہوئی اور نہ اب ہے۔ ہاں! جب کوئی مجبور ہی کر دے اور گلے ہی میں آپڑے تو پھر خدائے تعالیٰ سے دعا مانگ کر مباحثہ کیا اور ہمیشہ کامیاب ہوا ہوں۔تم لوگ اس کا تجربہ کر کے دیکھو۔ ہاں انبیاء علیہم السلام معذور ہوتے ہیں۔کیونکہ مامور ہوتے ہیں"۔

تو سب سے پہلے مجلس میں موجود سب سے کمسن بچے کو دیتے۔

اُس زمانے کے لوگ اگر اپنے بچوں کا شرف بھی پامال کرتے تھے تو یتیموں کی حالت تو اس سے کہیں بدتر تھی۔آپؐ نے ان کمزوروں اور بے سہاروں کا شرف قائم کرنے کے لئے جہاں یتیم کو کھانے پینے میں شامل کرنے والے اور اسکی پرورش کرنے والے کو جنت میں اپنی معیت کی بشارت دی، وہاں مکّہ کی گلیوں نے یہ عجیب ماجرا بھی دیکھا کہ ایک دفعہ ایک یتیم بچہ روتا ہوا جا رہا تھا۔اسکے جسم پر تن ڈھانپنے کو کپڑے بھی نہ تھے، پاؤں زخمی تھے اور کئی روز کے فاقوں کی وجہ سے اس کا پھول سا چہرہ مرجھایا ہوا تھا۔اسے دیکھتے ہی آپ کی آنکھیں بھر آئیں، اِس سراپا شفقت ورحمت نے اُس یتیم کو اٹھا لیا، پیار کیا، اپنے گھر لے گئے، کھانا کھلایا، کپڑے پہنائے اور اپنے بچوں کی طرح رکھا پھر اس کے رشتہ داروں کو اطلاع دی اور ان کے پاس پہنچا دیا۔

اسی طرح ایک اور یتیم کو جب ایسی ہی حالت میں روتے ہوئے دیکھا تو اسے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ محمد تیرا باپ اور عائشہ تیری ماں بن جائے؟ بچے نے رونا بند کر کے کہا کیوں نہیں یارسول اللہ۔

دنیا میں تو آج چائلڈ لیبر کے خلاف آواز اٹھائی جا رہی ہے، آج ان کے حقوق کے لئے تنظیمیں بنائی جا رہی ہیں لیکن ہمارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آواز آج سے ڈیڑھ ہزار سال قبل اٹھائی اور دلوں میں یتیم کے لئے رحمت وشفقت کی شمعیں روشن کر دیں۔

اسلام سے قبل مختلف معاشروں اور اقوام میں عورت نہایت پستی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔اہل عرب عورت کے وجود کو موجبِ ذلت وعار سمجھتے تھے۔اس مظلوم صفت کو زندہ بھی رکھتے تو اس سے تمام حقوق زندگی سلب کر لیتے تھے۔شادی کی کوئی حد نہ تھی۔جتنی عورتوں کو چاہتے اپنے نکاح میں رکھتے۔ جب تک خاوند زندہ رہتا یہ اس کے ماتحت ذلتیں برداشت کرتی اور خاوند کی وفات کے بعد یہ ورثے کا مال تصور کی جاتی، اس کے ورثاء چاہتے تو اس سے شادی کر لیتے اور چاہتے تو کسی دوسرے شخص کے حوالے کر دیتے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے اس شرفِ انسانی سے محروم بے حقوق طبقۂ نسواں کو بھی اپنا حقیقی اور باعزت مقام عطا ہوا۔اس کو وراثت میں حصہ دار ٹھہرایا گیا اور شادی بیاہ کے معاملہ میں اسکی رضا کو مقدم رکھا گیا۔

آپؐ نے عورت کی تین حیثیتوں ماں بیوی اور بیٹی کی دینی اور اخلاقی اعتبار سے عظمت، کرامت اور حرمت قائم فرمائی۔ ماں کو وہ عالیشان مرتبہ عطا فرمایا کہ اس کے زیرِ اقدام جنت بسا دی۔اور ہدایت فرما دی کہ خدا اور رسول کے بعد عزت وتکریم

کی سب سے زیادہ حق دار تمہاری ماں ہے۔

یہی نہیں بلکہ آپ نے تو ماں کے ساتھ رضاعی تعلق کو بھی عزت وتوقیر کا اعلیٰ مقام عطا فرمایا چنانچہ آپ کی رضاعی والدہ جب تشریف لاتیں تو آپ ان کے احترام میں کھڑے ہو جاتے اور ان کے لئے اپنی چادر بچھا دیتے۔ (ابوداؤد)

دنیا کے کسی بھی مذہب میں ماں کے بارہ میں ایسا اعلیٰ ترین تصور کہاں پیش کیا گیا ہوگا؟

بیویوں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا ساری کی ساری متاع ہی تو ہے اور اس کی سب سے بہتر متاع صالح عورت ہے۔ (مسلم کتاب النکاح)

عورت کو صنف لطیف ٹھہراتے ہوئے آبگینے سے تشبیہ دی اور مرد سے پہلے عورت کا خیال کرنے کا ارشاد فرمایا۔ نیز فرمایا کہ تم میں سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے ساتھ بھی اچھا ہو۔

بیوی کے وقار اور منزلت کو بام عروج تک پہنچانے کے لئے اس کے ساتھ حسن سلوک اور اس کی دلجوئی کو ایک شوہر کی خوبی اور شرافت کا معیار قرار دیا۔

اہل عرب نرینہ اولاد پر اتراتے اور فخر کرتے تھے لیکن لڑکیوں کا وجود ان کے سر پُر غرور کو جھکا دیتا تھا۔ اپنی جھوٹی اناؤں کے اسیر بن کر اس معصوم کو بہیمیت کا نشانہ بناتے اور جیتی جاگتی معصوم جان کو فریادوں، سسکیوں اور آہوں کے باوجود زندہ درگور کر دیتے۔

ایسے ہی لوگوں میں سے ایک شخص مسلمان ہو گیا اور ایک دن وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! جاہلیت کے زمانہ میں میری ایک بیٹی تھی۔ جب وہ میری بات سمجھنے اور جواب دینے کے قابل ہوئی تو میرے بلانے پر بھاگی بھاگی آتی تھی۔ ایک دن میں نے اسے بلایا تو وہ میرے ساتھ چل پڑی یہاں تک کہ مَیں اپنے خاندان کے ایک کنوئیں کے پاس پہنچا میں نے اُس معصوم بچّی کو ہاتھوں سے پکڑا اور اس کنوئیں میں پھینک دیا۔ مجھے اتنا یاد ہے کہ مَیں نے اس کی دلدوز چیخیں سنیں وہ مجھے پکارتی رہی ہائے میرے ابا، ہائے میرے ابا! رسول کریمؐ نے یہ سنا تو آپ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے۔ حتی کہ آنسوؤں کی برسات سے آپ کی ریش مبارک بھی تر ہو گئی۔ (الدارمی المقدمہ)

اس ظالمانہ سلوک کا شکار اور زحمت سمجھ کر زندہ درگور کی جانے والی بچی کو شرف انسانی کے قیم نے رحمت خداوندی کے نزول کا سبب قرار دیا۔ اور شفقت و رأفت کے ساتھ اس کی تربیت اور تعلیم کا اہتمام کرنے والے کو روز محشر اپنی معیت اور جنت کی بشارت دی۔

آپ کا اپنا طرز عمل یہ تھا کہ جب آپ کی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس آتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے اور ان کا بوسہ لیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ (سنن الترمذی کتاب المناقب باب)۔ جب کسی سفر پر روانہ ہوتے تو سب سے آخر پر حضرت فاطمہؓ سے ملتے اور جب واپسی ہوتی تو سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ سے ملنے کے لئے تشریف لے جاتے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انداز بھی تو بچی سے محبت اور شفقت کا ہی آئینہ دار ہے کہ آپ حضرت زید کے بیٹے اسامہ کو بچپن میں اٹھا کر فرمایا کرتے تھے کہ تو اگر لڑکی ہوتا تو میں تجھے فلاں فلاں زیور اور اچھے اچھے کپڑے پہناتا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ ارشاد فرماتے ہیں

''ایک مرتبہ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ ہم تم کو عمل تسخیر بتائے دیتے ہیں۔ مَیں نے کہا کہ قرآن کریم میں لکھا ہے کہ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے ہم نے تمہارا مسخّر بنا دیا ہے۔ اب اس سے زیادہ آپ مجھ کو کیا بتائیں گے؟ سن کر حیران سارہ گیا''۔

یوں اس محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بے حقوق اور بے حیثیت سمجھی جانے والی اور زندگی کے معنوں سے ناآشنا اس مخلوق کو وہ عزت و منزلت عطا فرمائی کہ تخت زندگی پر مرد کے ساتھ برابری کے مقام پر بٹھا دیا۔ قطرہ کو دریا، ادنیٰ کو اعلیٰ، اور کنیز کو ملکہ بنا دیا۔

یہ تھا وہ انقلاب جس کا ذکر حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اشعار میں یوں کیا ہے کہ:

کیا تیری قدر و قیمت تھی؟ کچھ سوچ! تری کیا عزت تھی
گویا تو کنکر پتھر تھی ، احساس نہ تھا جذبات نہ تھے
توہین وہ اپنی یاد تو کر! ، ترکہ میں بانٹی جاتی تھی
وہ رحمت عالم آتا ہے ، تیرا حامی ہو جاتا ہے
تو بھی انساں کہلاتی ہے ، سب حق تیرے دلواتا ہے
ان ظلموں سے چھڑواتا ہے
بھیج درود اس محسن پر تو دن میں سو سو بار
پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کا سردار

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ صرف زندوں کا شرف ہی قائم نہیں ہوا بلکہ آپ نے تو احترام میت کے بارہ میں بھی دنیا کو ایسی قدروں سے روشناس کرایا جن کی تاریخ عالم میں نظیر نہیں ملتی۔

مدینہ کے یہود کی تمام تر زیادتیوں اور عہد شکنیوں کے باوجود شہر مدینہ میں یہ عجیب نظارہ دیکھا گیا کہ کسی یہودی کا جنازہ آیا تو رسول کریمؐ احتراماً کھڑے ہو گئے صحابہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ، یہ کسی مسلمان کا نہیں یہودی کا جنازہ ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا یہودی انسان نہیں ہوتا؟ (بخاری کتاب الجنائز باب من قام لجنازۃ یہودی)

یہی نہیں بلکہ آپ جب بھی کسی انسان کی نعش کو بے گوروکفن پڑا دیکھتے تو فوراً اسے دفن کرنے کا ارشاد فرماتے۔ کبھی آپؐ نے یہ نہیں پوچھا کہ مرنے والا کافر ہے یا مسلمان؟ (مستدرک)

جنگ احزاب میں سردار مکہ نوفل مخزومی خندق میں گر کر ہلاک ہوا۔ کفار مکہ نے اس ڈر سے کہ مسلمان انتقاماً اس کی نعش کا مثلہ نہ کریں بارہ ہزار درہم تک کی پیشکش کی۔ لیکن ہمارے نبیؐ نے فرمایا۔ اہل مکہ کو بلا معاوضہ یہ نعش لوٹا دو تا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق اسے دفن کرسکیں۔ اور انہیں کہہ دو کہ ہم لاشوں کی تجارت نہیں کرتے۔ (سیرت ابن ہشام جلد 3 ص 273)

یہ ہیں احترام آدمیت کا درس دینے والے اعلیٰ انسانی اقدار کے قیم اور شرفِ انسانی کے علمبردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ محض چند مثالیں اور اشارے تھے جو وقت کی رعایت سے پیش کئے جاسکے۔

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم صرف محسنِ مسلمین یا مومنین ہی نہیں تھے بلکہ محسنِ انسانیت تھے اور مذاہب عالم کی تاریخ میں بلا تفریق رنگ ونسل اور مذہب وملت انسانیت زندہ باد کا پہلا نعرہ آپ نے بلند فرمایا۔ جب ہم نسل انسانی پر آپ کے احسانات کا تذکرہ سنتے ہیں تو دل درود وسلام سے بھر جاتے ہیں اور بے اختیار یہ صدا بلند ہوتی ہے کہ اے محسنِ انسانیت تو نے تار تار انسانی شرف اور پامال ہوتی ہوئی انسانی قدروں کو دوبارہ قائم کیا، پستیوں کو رفعتوں سے بدل دیا اور حیوان صفت وحشی لوگوں کو انسانیت کے ارفع مراتب سے روشناس کرادیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''درحقیقت یہ کامل اصلاح آپ ہی سے مخصوص تھی کہ آپ نے ایک قومِ وحشی سیرت اور بہائم خصلت کو انسانی عادات سکھلائے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ بہائم کو انسان بنایا اور پھر انسانوں سے تعلیم یافتہ انسان بنایا۔ اور پھر تعلیم یافتہ انسانوں سے باخدا انسان بنایا اور روحانیت کی کیفیت ان میں پھونک دی۔ اور سچے خدا کے ساتھ ان کا تعلق پیدا کردیا۔'' (لیکچر سیالکوٹ۔ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 206-207)

آج پھر انسانیت کا شرف خاک میں ملایا جارہا ہے، آج بھی انسانی قدریں پامال ہورہی ہیں۔

نسلی، مذہبی اور طبقاتی اور سیاسی اختلافات کی بنا پر آج انسانیت عراق و فلسطین میں بھی آہیں بھر رہی، برما کے گلی کوچوں اور شاہراہوں میں بھی اپنی ذلت پر نوحہ کناں ہے، اور افغانستان و پاکستان میں بھی اپنے شرف کی بھیک مانگ رہی ہے۔ غیر تو خیر غیر ہیں خود محسن انسانیت اور رحمۃ للعالمین کی طرف منسوب ہونے کے دعویدار آپ کے اسوہ کے برعکس مسجدوں، گرجا گھروں اور غیر مذاہب کی عبادتگاہوں کی حفاظت کی بجائے انہیں مسمار اور تباہ کررہے ہیں۔

وہ محسنِ انسانیت تو بے گور وکفن پڑی ہوئی لاشوں کو بھی دفن کرنے کا حکم دیتا تھا لیکن یہ قبروں میں دفن لاشوں کو بھی نکال کر بے کفن کرکے پھینکتے نظر آرہے ہیں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے ان دردناک حالات کی خبر دیدی تھی اور فرمایا تھا کہ امت پر ایک ایسی گھبراہٹ کا وقت بھی آئے گا جب لوگ پریشان ہوکر اپنے علماء کی طرف جائیں گے فَإِذَاهُم قِرَدَةً وَخَنَازِيْر۔ وہ دیکھ کر حیران ہوں گے کہ وہ بہیمیت کی آخری حدوں کو چھوتے ہوئے بندر اور خنزیر اور شَرٌّ مَن تَحْتَ أَدِيْمِ السَّمَاءِ بن چکے ہیں۔

مگر ایسے ہی زمانہ کے بارہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت بھی عطا فرمائی تھی کہ اس زمانہ میں آپ کا ایک غلام صادق مبعوث ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو دوبارہ زندہ کرے گا اور ایک دفعہ پھر لوگوں کو بہیمیت سے نکال کر بااخلاق اور باخدا انسان بنائے گا۔ سو اس مبعوث کے ذریعہ شرف انسانی کے قیام کی اس عظیم الشان مہم کا آغاز ہوچکا ہے اور آپ کے بعد آپ کی خلافتِ حقہ کے ذریعہ نسلی تفاخر اور قومی عصبیتیں مٹ رہی ہیں، کالے گورے اور مشرقی مغربی سبھی ایک امام کے ہاتھ پر جمع ہوکر سچی انسانی ہمدردی کے جذبوں سے سرشار خدمت انسانیت پر کمربستہ ہیں۔

پس آج انسانیت کا یہ کھویا ہوا شرف آپ کے ذریعہ، ہاں آپ کے ذریعہ بحال ہونا ہے۔ آج آپ سے وہ مثالیں قائم ہونی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے قائم کی تھیں۔ پس انھیں اور اپنے عمل صالح اور نیک نمونے کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی نسبتوں کا حق ادا کرتے ہوئے شرفِ انسانیت کو اس طرح قائم کردیں کہ اپنے اور غیر سبھی آپ کے ہم آواز ہوکر یہ نعرہ بلند کریں کہ

شرفِ انسانی کا قیم　　صلی اللہ علیہ وسلم

اللّٰھمّ صلِّ علٰی محمدٍ وعلٰی آلِ محمدٍ وبارِك وسلم إنّك حميدٌ مجيدٌ

بقیہ از صفحہ 14: حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات پر اعتراضات کے جوابات

اور سمجھانے کے لئے ان روحانی خزائن سے استفادہ از بس لازم ہے۔ ان کتب کی عظمت کے بارہ میں خود مسیح پاک علیہ السلام نے فرمایا: ''میری زبان کی تائید میں ایک اور زبان بول رہی ہے اور میرے ہاتھ کی تقویت کے لئے ایک اور ہاتھ چل رہا ہے جس کو دنیا نہیں دیکھتی مگر میں دیکھ رہا ہوں۔ میرے اندر ایک آسمانی روح بول رہی ہے جو میرے لفظ لفظ اور حرف حرف کو زندگی بخشتی ہے''۔

(ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 403)

پھر فرماتے ہیں: ''وہ زندگی بخش باتیں جو میں کہتا ہوں اور وہ حکمت جو میرے منہ سے نکلتی ہے اگر کوئی اور بھی اس کی مانند کہہ سکتا ہے تو سمجھو کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں آیا...... یہ حکمت اور معرفت جو مردہ دلوں کے لئے آب حیات کا حکم رکھتی ہے دوسری جگہ سے نہیں مل سکتی''۔ (ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 104)

اس لئے آپ نے افراد جماعت کو ان کتب کے پڑھنے کی تاکیدی نصیحت فرمائی اور ایک جگہ یہ بھی فرمایا: ''سب دوستوں کے واسطے ضروری ہے کہ ہماری کتب کم از کم ایک دفعہ ضرور پڑھ لیا کریں، کیونکہ علم ایک طاقت ہے اور طاقت سے شجاعت پیدا ہوتی ہے''۔ (ملفوظات جلد 4 صفحہ 361)

میں اپنی تقریر کا اختتام سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے بابرکت الفاظ سے کرتا ہوں۔ آپ نے ہم سب کو، ہاں ہم سب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہمیں اِس امام مہدی اور مسیح محمدی کو ماننے کی توفیق ملی اور ان روحانی خزائن کا ہمیں وارث ٹھہرایا گیا۔ اِس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم اِن بابرکت تحریروں کا مطالعہ کریں تا کہ ہمارے دل اور ہمارے سینے اور ہمارے ذہن اس روشنی سے منور ہوجائیں کہ جس کے سامنے دجال کی تمام تاریکیاں کافور ہوجائیں گی۔ اللہ کرے کہ ہم اپنی اور اپنی نسلوں کی زندگیاں ان بابرکت تحریرات کے ذریعہ سنوار سکیں اور اپنے دلوں اور اپنے گھروں اور اپنے معاشرہ میں امن و سلامتی کے دیئے جلانے والے بن سکیں اور خدا اور اس کے رسول کی محبت اس طرح ہمارے دلوں میں موجزن ہو کہ اس کے طفیل ہم کل عالم میں بنی نوع انسان کی محبت اور ہمدردی کی شمعیں فروزاں کرتے چلے جائیں۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین''۔ (پیغام بحریہ 10 اگست 2008ء)

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات پر اعتراضات کے جوابات

(مکرم مولانا عطاء المجیب راشد صاحب کی جلسہ سالانہ یوکے 2012ء کے موقع پر کی گئی تقریر)

يَحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُ وْنَ (یٰسٓ:31)
وَمَا يَأْتِيهِم مِّن نَّبِيٍّ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُ وْن (الزخرف:43)

ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وائے حسرت بندوں پر! ان کے پاس کوئی رسول یا نبی نہیں آتا مگر وہ اس کے ساتھ ٹھٹھا اور تمسخر کرنے لگتے ہیں۔ یہ ابنائے دنیا کی ایسی ریت ہے جو اس دورِ آخرین میں بھی جاری و ساری ہے۔ سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ کے اذن سے اپنے مشن اور دعاوی کا اعلان کیا تو اکثریت نے نہ صرف انکار کیا اور مخالفت کی بلکہ ایسے بدقسمت اور بے بصیرت لوگ بھی تھے جنہوں نے تمسخر اور استہزاء کا طریق اختیار کیا۔ خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت سے قادیان کی بستی سے اٹھنے والی صدا تو آج زمین کے کونوں اور دنیا کے 202 ممالک تک جا پہنچی ہے لیکن مخالفین احمدیت آج بھی خدا تعالیٰ کے فرستادہ پر اور اس کی تحریرات پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ شعر ہے تو ایک معاندِ احمدیت کا لیکن دیکھئے آج احمدیت کی روز افزوں ترقی اور دوسری طرف مخالفین احمدیت کی پسپائی اور پے در پے ناکامی پر کس خوبصورتی سے چسپاں ہوتا ہے۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی تحریرات پر اعتراضات کے جواب کا موضوع بہت وسیع ہے۔ میں صرف چند امور کا ذکر کر سکوں گا اور بعض صورتوں میں مجبوراً اجمالی جواب پر ہی اکتفا کرنا پڑے گا۔ لیکن خدا چاہے تو یہ مختصر جوابات بھی حق کے متلاشی لوگوں کے لئے بہت کافی ہو سکتے ہیں۔

مسیح پاک کی تحریرات میں تضاد نہیں۔ ایک اصولی جواب

یہ امر یاد رکھنے کے لائق ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے 90 سے زائد کتب لکھی ہیں اور آپ کی تحریرات میں ہرگز کوئی حقیقی تضاد نہیں ہے۔ صرف صاف دلی سے اور نیک نیتی سے پڑھنے اور جاننے کی ضرورت ہے۔ اگر یہ صورت نہ ہو اور مقصد صرف اور صرف اعتراض کرنا اور نقص تلاش کرنا ہو تو ظاہر ہے کہ ایسے شخص کو ہر تحریر غلط اور قابل اعتراض نظر آئے گی۔ قرآن مجید کی مثال لے لیں۔ اللہ تعالیٰ کا مقدس کلام ہر لحاظ سے بے مثل ہے۔ ایسی عظیم الشان کتاب پر بھی مخالفین اسلام نے اعتراضات کے انبار لگا دیئے ہیں۔ اس لئے کسی کا یہ کہنا کہ چونکہ حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات پر بہت سے اعتراضات اٹھائے جاتے ہیں اس لئے ساری تحریرات ناقابل اعتبار اور ناقابل قبول ہیں۔ یہ بات ہرگز کوئی وزن نہیں رکھتی۔

یہ اصول بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جس جگہ پر اعتراض کیا جائے اس کے سیاق و سباق کو اچھی طرح دیکھنا چاہئے۔ بالعموم اعتراض کا جواب اسی جگہ پر موجود ہوتا ہے۔ ویسے بھی حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی تصانیف کا سلسلہ 28 سال کے طویل عرصہ پر پھیلا ہوا ہے اور ایک موضوع پر آپ نے مختلف مقامات پر اظہار خیال فرمایا ہے۔ اس لئے دیانت اور خدا خوفی کا تقاضا ہے کہ کسی موضوع پر غور کرتے وقت آپ کی سب تحریرات پر بیک وقت نظر کی جائے اور اس اصل کو بھی یاد رکھا جائے کہ بعد کی تازہ ترین تحریر، سابقہ تحریرات پر ہمیشہ مقدم رکھی جاتی ہے اور اُسی کو قول فیصل قرار دیا جاتا ہے۔

یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ اگر مصنف نے خود اپنی کسی تحریر کی وضاحت کر دی ہو اور سابقہ تحریر سے اِمکانی طور پر پیدا ہونے والے اِبہام کو دور کر دیا ہو تو لازم ہو جاتا ہے کہ سابقہ تحریروں کو آخری تحریر کے تابع رکھا جائے اور خود مصنف کی بیان کردہ وضاحت کو حرفِ آخر کے طور پر فیصلہ کن قرار دیا جائے۔

آنحضرت ﷺ پر فضیلت کا دعویٰ؟

مخالفین احمدیت یہ اتہام لگاتے ہیں کہ نعوذ باللہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے معجزات و نشانات کو رسول اکرم ﷺ کے معجزات و نشانات سے زیادہ قرار دیا ہے۔ وہ حوالہ دیتے ہیں تحفہ گولڑویہ (روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 40) کا کہ "ہمارے نبی ﷺ سے تین ہزار معجزات ظہور میں آئے"۔ اور پھر حوالہ دیتے ہیں تتمہ حقیقۃ الوحی (روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 62) کا کہ "اس نے میری تصدیق کے لئے بڑے بڑے نشانات ظاہر کئے جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں"۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ایک معجزہ متعدد نشانوں پر مشتمل ہو سکتا ہے جبکہ ایک نشان کئی معجزات پر مشتمل نہیں ہوتا۔ رسول مقبول ﷺ کے معجزات کو تین ہزار بیان فرمایا جو اپنے اندر اتنے نشانات رکھتے تھے کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔

افسوس صد افسوس کہ جس کتاب حقیقۃ الوحی سے وہ ایک فقرہ اٹھا کر اعتراض کرتے ہیں اسی کتاب میں ان کی نظر اس واضح بیان پر کیوں نہیں پڑتی جس میں پوری وضاحت موجود ہے۔ مسیح پاک کے الفاظ ہیں:

"کسی نبی سے اس قدر معجزات ظاہر نہیں ہوئے جس قدر ہمارے نبی ﷺ سے...... ہمارے نبی ﷺ کے معجزات اب تک ظہور میں آ رہے ہیں اور قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے۔ جو کچھ میری تائید میں ظاہر ہوتا ہے دراصل وہ سب آنحضرت ﷺ کے معجزات ہیں"۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 468-469)

ایک اور موقع پر آنحضرتؐ کے حوالہ سے فرمایا:

"جو کچھ مجھے دیا گیا وہ انہیں کا ہے"۔ (نزول المسیح۔ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 401 حاشیہ)

حضرت مسیح پاک علیہ السلام جیسے عاشقِ صادق کا یہ شعر اس اعتراض کو باطل کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔ آپ نے کیا خوب فرمایا ہے:

اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

جھوٹ کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے لیکن جس قسم کے جھوٹ ہمارے مخالفین زبان

پر لاتے ہیں ان کی کوئی انتہا نہیں۔ مثلاً یہ ادعا کرتے ہیں کہ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے نعوذ باللہ نعوذ باللہ رسول پاک ﷺ سے افضل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس سے بڑا جھوٹ اور افتراء اور اتہام تصور میں نہیں آ سکتا۔ جس غلام صادق کا دعویٰ یہ ہو کہ:

’’میں نے محض خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہنر سے اُس نعمت سے کامل حصہ پایا ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور خدا کے برگزیدوں کو دی گئی تھی۔ اور میرے لئے اس نعمت کا پانا ممکن نہ تھا اگر میں اپنے سید و مولیٰ فخر الانبیاء اور خیر الوریٰ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے راہوں کی پیروی نہ کرتا۔ سو میں نے جو کچھ پایا اُس کی پیروی سے پایا‘‘۔ (حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 64)

اور جس عاشقِ رسولؐ کا اعلان ہو کہ:

ربط ہے جانِ محمدؐ سے مری جاں کو مدام
دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے

اور جس عاشقِ یارِ ازل کا نعرہ یہ ہو کہ:

بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

کیا ایسے سچے عاشقِ زار پر آنحضرت ﷺ پر اپنی فضیلت کے دعویٰ کا الزام لگایا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

اپنے اس سرتاپا جھوٹے اعتراض کو سہارا دینے کیلئے معاندین ایک عربی شعر پیش کرتے ہیں جس میں آنحضرت ﷺ کے لئے ایک چاند گرہن کا ذکر ہے اور حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے لئے چاند اور سورج دونوں کو گرہن لگنے کا ذکر ہے۔ ان نادانوں کو کیسے سمجھایا جائے کہ مسیح پاک علیہ السلام کے دعوی مہدویت کے بعد 1894ء میں چاند اور سورج گرہن کا ہونا دراصل سب سے پہلے پیشگوئی کرنے والے یعنی ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی صداقت اور عظمت پر گواہ ہے۔ آپ ﷺ نے ہی فرمایا تھا کہ ہمارے پیارے مہدی کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ دو نشانات مقدر فرمائے ہیں۔

پس یہ فضیلت سب سے اوّل اور مقدم طور پر رسول پاک ﷺ کے حصہ میں آتی ہے اور پھر مبارک آقا کے قدموں کی برکت سے یہ اعزاز حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو نصیب ہوتا ہے۔ اگر کسی نے گنتی ہی کرنی ہے تو اس حساب سے تین نشان رسول پاک ﷺ کے ہوئے اور دو آپؐ کے غلام، مسیح پاک علیہ السلام کے۔ جانثار خادم نے پیارے آقا کے بارہ میں کیا خوب فرمایا ہے:

برتر گمان و وہم سے احمدؐ کی شان ہے
جس کا غلام دیکھو مسیح الزمان ہے

ابتدا میں دعویٰ نبوت سے انکار اور بعد میں نبوت کا اعلان

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ سے لے کر آج تک جو اعتراض بہت تواتر اور زور وشور کے ساتھ اٹھایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی ابتدائی کتب میں نبی ہونے سے انکار کیا اور پھر بعد میں یہ اقرار اور اعلان کیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں نبی کے طور پر قائم فرمایا ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ کیا تاریخ اسلام میں اس قسم کے مزعومہ تضاد کی کوئی اور مثال بھی ملتی ہے؟ جی ہاں ملتی ہے اور وہ بھی ہمارے آقا ومولیٰ، سرور کائنات محمد مصطفےٰ ﷺ کی مثال ہے۔ رسول پاک ﷺ ابتدا میں اپنے مقام کے بارہ میں بوجہ انکسار تاکیداً فرماتے رہے کہ مجھے حضرت یونس علیہ السلام پر فضیلت نہ دو اور نہ ہی مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ترجیح دو۔ باوجود اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول پاک ﷺ کو لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا (الفرقان 25:2) قرار دیا تھا لیکن جب ایک شخص نے آپؐ کو خیر البریہ کہا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ تو ابراہیم علیہ السلام کا مقام ہے۔ (مسلم جلد 2 فضائل ابراہیم خلیل)۔ لیکن نبوت کے آخری سالوں میں آپ نے فرمایا کہ انا سید ولد آدم کہ میں سب آدم زادوں کا سردار ہوں (مشکوٰۃ)۔ یہ بھی فرمایا کہ میں دیگر تمام انبیاء سے چھ باتوں میں افضل ہوں نیز فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آج زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔

کیا آج دنیا میں کوئی ایسا مسلمان ہو سکتا ہے جو اس بات پر اعتراض اٹھائے اور کہے کہ آپ ﷺ نے اپنے دعویٰ میں تبدیلی کیوں کی؟ اگر کسی میں یہ جرأت نہیں تو پھر محمد عربی ﷺ کے عاشق صادق علیہ السلام پر زبانِ طعن دراز کرنے کا کیا جواز ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ براہین احمدیہ کے زمانہ سے لے کر وفات کے دن تک یہی رہا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو کثرت سے مکالمہ اور مخاطبہ کا شرف عطا فرمایا۔ غیب کی خبریں آپ کو عطا کیں اور اپنے الہامات میں آپ کا نام نبی رکھا۔ لیکن آپ نے اس مقام کی تاویل کر کے اسے محدثیت قرار دیا۔ بعد ازاں جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر واضح فرمایا کہ مقام نبوت کی حقیقت کیا ہے تو آپ نے بارش کی طرح نازل ہونے والی وحی الٰہی کی متابعت میں آنحضرت ﷺ کی غلامی میں امتی نبی اور مسیح موعود ہونے کا اعلان فرمایا۔ گویا نفسِ دعویٰ میں کوئی فرق نہیں ہوا۔ نہایت ظلم کی بات ہے کہ مخالفین احمدیت مسیح پاک علیہ السلام کے ابتدائی حوالہ جات کو تو پیش کرتے ہیں لیکن خیانت سے کام لیتے ہوئے 1901ء کے بعد کی وضاحتوں کا کبھی ذکر تک نہیں کرتے۔

اس سلسلہ میں اپنے الفاظ میں کچھ مزید واضح کرنے کی بجائے حضرت اقدس مسیح پاک علیہ السلام کا ایک بنیادی حوالہ عرض کر دیتا ہوں جو اس موضوع پر حتمی اور فیصلہ کن ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

’’جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسولِ مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اُس کا نام پا کر اُس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے،

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ ارشاد فرماتے ہیں

’’ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ تم فلاں شخص کو کیسا سمجھتے ہو؟ مَیں نے کہا: بہت اچھا۔ اُس نے پھر بہت اصرار سے کہا کہ تم بہت اچھا سمجھتے ہو؟ مَیں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا کہ وہ تو مرزا صاحب کو نہیں مانتا۔ مَیں نے کہا اگر اس کو مَلک بھی مان لیں تب بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ ملائکہ نے ایک خلیفہ آدم (علیہ السلام) پر اعتراض وانکار غلطی سے کیا تھا‘‘۔

رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے، اِس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا بلکہ انہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کر کے پُکارا ہے''۔

(ایک غلطی کا ازالہ۔روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 211-210)

آج بہت کثرت سے یہ بات بھی دہرائی جاتی ہے کہ اگر آپؑ کا حقیقی منصب نبوت کا تھا تو پھر آپ پر اس بات کا انکشاف اتنا عرصہ بعد میں کیوں ہوا؟ یہ نادان اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ کسی بھی بات کا انکشاف کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور وہ جب چاہے اپنی حکمتِ بالغہ سے ان امور کا اظہار کرتا ہے۔ کیسا نادان ہے وہ انسان جو خدا تعالیٰ پر اعتراض کرے کہ یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی گئی۔ قرآن مجید تو یہ اصول بیان کرتا ہے لِکُلِّ اجلٍ کتاب (الرعد 13:39) کہ ہر بات کے ظہور کا ایک وقت مقرر ہے اور خدائے علیم وخبیر ہی اس کی حکمتوں کو سب سے بہتر جانتا ہے۔

نادان معترضین اس بات کو بھی بھول جاتے ہیں کہ ان کے اس گستاخانہ اعتراض کی زد تو ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر پڑ سکتی ہے۔ تحویل قبلہ کا حکم ہجرت کے سولہ یا سترہ ماہ کے بعد نازل ہوا۔ آیت خاتم النبیین رسول پاک ﷺ پر دعویٰ نبوت کے پورے اٹھارہ سال کے بعد سن 5 ہجری میں نازل ہوئی۔ کوئی ان اعتراض کرنے والوں سے پوچھے کہ خدا تعالیٰ نے ایسا کیوں کیا؟ ایک سچے مومن کا جواب تو یہی ہوگا کہ خدا تعالیٰ کا کوئی کام بھی حکمت سے خالی نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کے کاموں پر اعتراض وہی اٹھاتا ہے جو عقل و دانش سے کلیتہً بے بہرہ ہو۔

مبالغہ کے اعتراض کا جواب

معترضین کی عیب بین نگاہ کو مسیح پاک علیہ السلام کی کتب کے کمالات اور فضائل تو نظر نہیں آتے مگر افسوس کہ بصیرت سے عاری آنکھوں کو ہر جگہ نقص اور اعتراض ہی نظر آتا ہے۔ ایک بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے جگہ جگہ مبالغہ سے کام لیا ہے۔ یہ اعتراض بھی باقی اعتراضات کی طرح بالکل باطل اور بے بنیاد ہے۔ بطور مثال دو امور پیش کرتا ہوں۔

ایک اعتراض یہ اٹھایا جاتا ہے کہ حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے لکھا ہے کہ میرے شائع کردہ اشتہارات ساٹھ ہزار کے قریب ہیں۔ (بحوالہ اربعین نمبر 3۔ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 418)۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے اس عبارت میں ہرگز یہ نہیں لکھا کہ میں نے ساٹھ ہزار اشتہار لکھے ہیں بلکہ آپ نے اس قدر اشتہارات ''شائع'' کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ دونوں بیانات میں جو فرق ہے وہ بالکل واضح ہے۔ واقعاتی لحاظ سے دیکھا جائے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کتاب اربعین کی اشاعت تک مختلف اوقات میں مجموعی طور پر 226 اشتہارات شائع فرمائے ۔ اشتہارات کی اوسط تعدادِ اشاعت 300 بنتی ہے ۔ اس طرح اربعین کی اشاعت تک شائع شدہ اشتہارات کی تعداد سڑسٹھ ہزار آٹھ سو بنتی ہے۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس تعداد کو ''ساٹھ ہزار کے قریب'' بیان فرمایا ہے تو اس پر اعتراض کیسا؟

ایک اعتراض یہ بھی اٹھایا جاتا ہے کہ مسیح پاک علیہ السلام نے اپنی کتب کے بارہ میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ ''اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں''۔ (تریاق القلوب۔ روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 155)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ ارشاد فرماتے ہیں

''میرا ایک دوست تھا۔ اس میں بہت سے عیوب تھے۔ مَیں نے اس سے کہا کہ تم لوگوں کو وعظ کیا کرو۔ اس نے اس پر عمل کیا اور اس کے بہت سے عیوب خود ہی کم ہو گئے''۔

یہ اعتراض بھی عوام الناس کو دھوکہ دینے کی ایک شرمناک کوشش ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی بعض کتب بہت ضخیم بھی ہیں۔ ان ضخیم کتب کی تعداد اشاعت بھی سینکڑوں اور بعض صورتوں میں ہزاروں تک تھی۔ اگر ان سب کتب کے جملہ نسخوں کو اکٹھا کر کے الماریوں میں رکھا جائے تو یقیناً 50 سے زیادہ الماریاں با آسانی بھر سکتی ہیں۔ لہٰذا سچائی پر مبنی اس بیان کو مبالغہ یا غلط بیانی قرار دینا خود صداقت کا خون کرنے کے مترادف ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی عمر

پچھلے دنوں ایک معترض نے یہ سوال بہت طمطراق سے اٹھایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کتاب ایام الصلح میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر 120 سال تحریر فرمائی ہے اور کتاب مسیح ہندوستان میں ان کی عمر 125 سال لکھی ہے۔ اور ایک تیسری کتاب تذکرۃ الشہادتین میں جہاں حضرت مسیح علیہ السلام کے واقعہ ہجرت کا ذکر ہے وہاں یہ لکھا ہے ''اس واقعہ کے بعد عیسیٰ ابن مریم نے 120 برس عمر پائی اور پھر فوت ہو کر اپنے خدا کو جاملا'' (صفحہ 29) معترض کی انوکھی سوچ دیکھیں کہ وہ کہتا ہے کہ اس حساب سے تو حضرت عیسیٰ کی عمر 153 سال ہو جاتی ہے۔ اس کے جواب میں اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ

ایسی الٹی سمجھ خدا کسی کو نہ دے

اہل زبان کے ہاں یہ مسلّمہ طرز بیان ہے کہ کسی انسان کے حالات اور زندگی کے واقعات بیان کرنے کے بعد جب کہا جاتا ہے کہ پھر اس انسان نے اتنی عمر میں وفات پائی تو اس کا حساب اس کی پیدائش سے لگایا جاتا ہے نہ کہ زندگی میں ہونے والے الگ الگ واقعات سے۔ بالکل اسی طریق کے مطابق حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے واقعہ صلیب کے بعد ہجرت کا ذکر فرمایا اور پھر لکھا کہ بالآخر انہوں نے 120 سال کی عمر میں وفات پائی۔ اگر کوئی عقل و دانش رکھتا ہے تو اس کے نزدیک اس میں کوئی وجہِ اعتراض نہیں۔

جہاں تک 120 اور 125 سال کا تعلق ہے احادیث کی مختلف کتب میں دونوں عمروں کی روایات ملتی ہیں۔ کنز العمال اور المعجم الکبیر للطبرانی میں 120 سال اور الطبقات الکبری لابن سعد میں 125 سال مذکور ہے۔ پس اس لحاظ سے بھی یہ اعتراض بے معنی ہو جاتا ہے۔

حضرت مسیح کی قبر چار جگہ پر؟

جب کسی نے اعتراض ڈھونڈنے کی قسم کھائی ہو تو اس کو ہر جگہ اعتراض نظر آجاتا ہے اور بجائے دیانت داری سے غور کرنے کے وہ اس بات کو خوب اچھالتا اور شیخیاں بگھارتا ہے۔ اس کی ایک مثال مخالفین احمدیت کا یہ اعتراض ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی مختلف کتابوں میں حضرت مسیح ناصری

علیہ السلام کی قبر چار مختلف مقامات پر بیان کی ہے اور عملاً ایسا ہونا ممکن نہیں ۔ یہ چار مقامات ملکِ شام، گلیل، یروشلم اور سرینگر کشمیر ہیں ۔ یہ اعتراض بھی خود معترضین کی لاعلمی اور جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

معترضین نے بلادشام ۔ گلیل اور یروشلم کو باہم متضاد اور مختلف قرار دیا ہے حالانکہ ان میں کوئی اختلاف نہیں ۔ یروشلم شہر کا نام ہے ۔ گلیل اس علاقہ یا صوبہ کا نام ہے اور شام اس تمام ملک کا نام ہے ۔ اور تینوں لفظ بیک وقت درست ہیں اور اس بات میں کوئی اِشکال نہیں ۔ البتہ یروشلم اور سرینگر کے اختلاف کو سمجھنے کی ضرورت ہے ۔

یروشلم والی قبر سے مراد وہ عارضی قبر نما جگہ ہے جس میں مجروح ہونے کی حالت میں حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو رکھا گیا تھا (ست بچن ۔ روحانی خزائن جلد 10 حاشیہ صفحہ 309) اور وہاں سے وہ باہر نکل آئے ۔ یہ سارا ذکر عیسائی عقیدہ اور اناجیل کی رُو سے ہے ۔ اس سارے ذکر کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی ذاتی تحقیق اور اس کا معین نتیجہ ان الفاظ میں درج فرمایا ہے کہ:

''اب صحیح تحقیق ہمیں اس بات کے لکھنے کے لئے مجبور کرتی ہے کہ واقعی قبر وہی ہے جو کشمیر میں ہے'' ۔ (ست بچن ۔ روحانی خزائن جلد 10 حاشیہ صفحہ 307)

اس وضاحت کے بعد قبرِ مسیح کے حوالہ سے نہ کوئی تضاد رہتا ہے اور نہ کسی اعتراض کی گنجائش ۔

حوالہ غلط دیا

ایک اعتراض یہ ہے کہ آپؑ نے ''شہادت القرآن'' میں حدیث ھذا خلیفہ اللّٰہ المھدی کا حوالہ بخاری شریف دیا ہے جبکہ یہ حدیث وہاں نہیں ہے ۔

دیکھنے والی بات یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو حدیث بیان کی ہے کیا وہ واقعی حدیث ہے یا نہیں ۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ یہ حدیث اپنے الفاظ کے لحاظ سے بالکل درست ہے ۔ صحاح ستہ کی کتاب ابن ماجہ (جلد 2 کتاب الفتن باب خروج المھدی) میں موجود ہے ۔ علاوہ ازیں حدیث کی متعدد معروف کتب میں بھی یہ حدیث انہی الفاظ میں مذکور ہے اور امام حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں اس کو درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ صحیح علی شرط الشیخین (حاشیہ ابن ماجہ جلد 2 صفحہ 269 مطبوعہ مصر) کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق بھی صحیح ہے ۔ گویا جہاں تک حدیث کے الفاظ اور نفسِ مضمون کا تعلق ہے وہ قطعی طور پر ثابت ہے ۔

سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ اس مسلمہ حدیث کا حوالہ درج کرنے میں اگر سہواً دوسری کتاب کا نام درج ہو گیا ہے تو اس بات پر آسمان سر پر اٹھا لینے کا کیا جواز ہے؟ حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے جن مشکل حالات میں 90 سے زائد کتب شائع فرمائیں وہ اپنی ذات میں ایک عظیم معجزہ ہے اور جہاں آپ نے اپنی کتب میں ہزاروں ہزار حوالے درست درج فرمائے اگر ایک حوالہ میں سہو کے باعث دوسری کتاب کا نام درج ہو گیا تو اس کو کذب بیانی سے تعبیر کرنا چھچھورا پن نہیں تو اور کیا ہے؟

یہ بات بھی خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کتاب شہادت القرآن سے دو سال قبل اپنی کتاب ازالہ اوہام میں ایک جگہ نہیں بلکہ دو جگہ بڑی وضاحت سے لکھا ہوا ہے کہ ''میں کہتا ہوں کی مہدی کی خبریں

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ ارشاد فرماتے ہیں

''ایک مرتبہ مَیں نے رمضان کے مہینہ میں بحالت بیماری روزے رکھنے شروع کئے تو میرے دستوں کی بیماری رفع ہوگئی ۔ مَیں نے سمجھا کہ یہ روزے تو اکسیر ہیں ۔ لیکن بعد میں مَیں نے دیکھا کہ میری قوت رجولیت بالکل جاتی رہی ۔ مَیں نے سمجھا کہ بیماری کی حالت میں روزے رکھنا ایک غلطی تھی، یہ اس کی سزا ہے ۔ اٹھارہ یا انیس دن تک خوب توبہ کی تب وہ کیفیت دُور ہوئی ۔''

ضعف سے خالی نہیں ۔ اسی وجہ سے امامَین حدیث (یعنی امام بخاری اور امام مسلم) نے ان کو نہیں لیا'' ۔ (ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 235)

ان واضح بیانات کی موجودگی میں اگر کسی میں شرافت یا دیانت ہو تو وہ ہرگز زبان طعن دراز نہیں کر سکتا ۔

جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ کیا انبیاء سے بھی سہو ونسیان صادر ہو سکتا ہے تو یہ بات ہر صاحب علم جانتا ہے کہ سہو ونسیان بشریت کا ایک تقاضہ ہے اور انبیائے کرام بشر ہونے کے ناطے اس سے بالا نہیں ہوتے ۔ حضرت آدم اور حضرت موسیٰ کے نسیان کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور ہمارے آقا و مولیٰ محمد عربی ﷺ کی زندگی میں بھی اس کی مثالیں نظر آتی ہیں نیز آپ نے خود فرمایا ہے کہ انما انا بشرٌ مثلکم انسیٰ کما تنسَونَ (بخاری کتاب الصلوۃ) کہ میں تمہاری طرح ایک بشر ہوں، مَیں بھی کبھی بھول جاتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو ۔

حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی زندگی میں کبھی کبھار سہو کا پہلو رکھ کر ان کی بشریت کا ثبوت دیا ہے اور ایسا ہونا نہ اُن کے عالی منصب کے خلاف ہے اور نہ ہی قابل اعتراض ہے ۔

تاریخی غلط بیانی کا اعتراض

تاریخی غلط بیانیوں کے حوالہ سے ایک سوال یہ اٹھایا جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے: ''تاریخ کو دیکھو کہ آنحضرت ﷺ وہی ایک یتیم لڑکا تھا جس کا باپ پیدائش سے چند دن بعد ہی فوت ہو گیا اور ماں صرف چند ماہ کا بچہ چھوڑ کر مر گئی'' ۔ (پیغام صلح ۔ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 465)

مخالفین کا اعتراض ہے کہ یہ امور تاریخی حقائق کے خلاف ہیں ۔ حق یہ ہے کہ یہ مخالفین خود تاریخی حقائق سے ناواقف ہیں اور یہ اعتراض اسی ناواقفیت کی پیداوار ہے ۔ یاد رکھنا چاہئے کہ معروف اور مشہور قول تو یہی ہے کہ رسول پاک ﷺ کے والد ماجد کی وفات اس وقت ہوئی جبکہ آپ کی والدہ ماجدہ حمل سے تھیں اور مسیح پاک علیہ السلام نے اس کا ذکر اپنی کتب میں کئی جگہ پر فرمایا ہے ۔ البتہ سیرت کی کتابوں میں ایسے حوالے بھی بکثرت ملتے ہیں کہ آپ ؐ کے والد ماجد کی وفات آپ ؐ کی پیدائش کے بعد ہوئی ۔ مشہور سیرت نگار علامہ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ اکثر علماء کا یہ خیال ہے کہ رسول پاک ﷺ کے والد ماجد کی وفات اس وقت ہوئی جب آپ ؐ پنگھوڑے میں تھے ۔ (السیرۃ النبویہ ابن ہشام صفحہ 128) بعض دیگر علماء نے والد ماجد کی وفات کے وقت آپ ؐ کی عمر 28 دن، دو ماہ، سات ماہ، نو ماہ، ایک سال، دو سال اور

سوادوسال بھی بیان کی ہے۔

جہاں تک آپ کی والدہ ماجدہ کی وفات کا تعلق ہے۔اس بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیان کی تائید علامہ محمد باقر مجلسی کی کتاب بحارالانوار سے ہوجاتی ہے جس میں لکھا ہے کہ ''جب رسول اللہ ﷺ اپنی عمر مبارک کے چوتھے مہینہ میں پہنچے تو آپ کی والدہ آمنہ وفات پاگئیں۔ چار ماہ کی عمر میں آپؐ بغیر ماں باپ کے یتیم بچے تھے''۔(بحارالانوار از علامہ محمد باقر مجلسی جزو15 صفحہ 341)

پھر اسی کتاب میں حضرت عبدالمطلب کا ایک قول بھی اسی مضمون کا درج ہے۔ان تاریخی حوالہ جات سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیان کی تائید ہوجاتی ہے اور اور ہر اعتراض کی زوردار تردید ہوجاتی ہے۔

بدزبانی اور گالیوں کے اعتراض کا جواب

حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے خلاف ایک اور اعتراض بڑے شدومد سے اٹھایا جاتا ہے کہ آپ نے اپنی کتب میں اپنے مخالفین کے لئے سخت کلامی اور بدزبانی کا طریق اختیار کیا حتی کہ انہیں گالیاں بھی دیں۔

اس تعلق میں یہ بات یادرکھنے کے لائق ہے کہ اس کی ابتداء کبھی بھی مسیح پاک علیہ السلام کی طرف سے نہیں ہوئی۔آپ کا چیلنج آج تک موجود ہے کہ ''کوئی ثابت نہیں کرسکتا کہ میں نے کسی مخالف کی نسبت اس کی بدگوئی سے پہلے خود بدزبانی کی ہو''۔(تتمہ حقیقۃ الوحی۔روحانی خزائن جلد22 صفحہ 453-452)

جب مخالفین کی بدزبانی حد سے بڑھ گئی تو آپ فرماتے ہیں کہ ''تب خدا نے میرے دل میں ڈالا کہ صحت نیت کے ساتھ ان تحریروں کی مدافعت کروں''۔

(تتمہ حقیقۃ الوحی۔روحانی خزائن جلد22 صفحہ 453)

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ایماء پر آپ نے اُن گالیوں کے جواب میں مخالفین کی اصلاح کی خالص نیت سے جزاء سيئةٍ سيئةٌ مِّثْلُهَا (سورۃ الشوریٰ 42:41) کے مطابق اور معترضین کے جوش اور غیظ وغضب کو دور کرنے کے لئے جوابی الفاظ استعمال فرمائے جن کا جواز لا يحب الله الجهر بالسّوءِ من القول اِلّا من ظُلِم (سورۃ النساء 4:149) کی آیت کریمہ سے ملتا ہے۔حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ: ''دشنام دہی اَور چیز ہے اور بیان واقعہ کا، گو وہ کیسا تلخ اور سخت ہو دوسری شے ہے''۔(ازالہ اوہام۔روحانی خزائن جلد3 صفحہ 112)

اور پھر مزید فرمایا: ''میں سچ سچ کہتا ہوں کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے میں نے ایک لفظ بھی ایسا استعمال نہیں کیا جس کو دشنام دہی کہا جائے''۔

(ازالہ اوہام۔روحانی خزائن جلد3 صفحہ 109)

حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی 90 سے زائد کتب پر یکجائی نظر کرنے سے یہ حقیقت خوب کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ خدا تعالیٰ کے نبیوں میں رحم اور درگزر بھی ہوتا ہے اور دفاعی موقعہ پر مومنانہ غیرت اور غضب بھی۔مخالفین کے ظالمانہ بیانات کے مقابل پر آپ نے مومنانہ غیرت کا نمونہ دکھاتے ہوئے ناموسِ رسالت اور اسلام کا دفاع کرتے ہوئے اپنے جذبات کا ضرور اظہار فرمایا۔مخالفین اور معترضین کو خوب آئینہ دکھایا لیکن ان الزامی جوابات میں بھی اخلاق اور سچائی کے دامن کو کبھی نہیں چھوڑا ہاں مخالفین کو ان کے مسلّمات کی رو سے شرمندہ اور لاجواب ضرور کیا اور یہی بات حضرت سلطان القلم کے باطل شکن علمِ کلام کا امتیازی نشان ہے!

ذرّية البغايا

سخت کلامی کے اتہام کے سلسلہ میں ایک محاورۂ زبان جس کو بہت اچھالا جاتا ہے وہ ذرّية البغايا ہے۔عقلمند لوگ خوب جانتے ہیں کہ محاورہ کا لفظی ترجمہ نہیں کیا جاتا۔لالچی شخص کو محاورۃً ابنُ الدینار کہا جاتا ہے وہ دینار کا بیٹا نہیں ہوتا۔مسافر کو ابن السبیل کہا جاتا ہے جبکہ وہ راستہ کا بیٹا نہیں ہوتا۔حضرت مسیح موعودؑ نے، جن کو عربی کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا تھا، ہرگز ہرگز اِس محاورہ کا ترجمہ کنجنی کی اولاد نہیں کیا۔اس محاورۂ زبان کا صحیح ترجمہ باغی، سرکش، اور متمرد انسان ہے۔حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے خود اپنی ایک کتاب میں ابن البغاء کا ترجمہ ''سرکش انسان'' بیان فرمایا ہے۔(ملاحظہ ہو الحکم جلد 11 نمبر 7 بابت 24 فروری 1907) اور سیاق کلام بھی صاف ظاہر کرتا ہے کہ غیر احمدی جمہور مسلمان اس کے مخاطب نہیں۔

حیرت ہوتی ہے کہ جب اس محاورۂ زبان کا ایک صحیح اور مستند ترجمہ موجود ہے اور مصنف کے دوسرے بیان سے اس کی تائید بھی ہوجاتی ہے تو پھر نہ معلوم ہمارے مخالفین کو ایک غلط ترجمہ کرکے اسے زبردستی اپنے اوپر لگانے کا شوق کیوں ہے؟

یہ بات بھی زیرنظر رکھنی چاہئے کہ یہ الفاظ کس سیاق وسباق میں بیان کئے گئے ہیں۔حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے اپنی ان کتب کے حوالہ سے جو غیر مسلموں کو دعوت اسلام دینے کی غرض سے آپ نے تالیف فرمائیں، فرمایا ہے:

''یہ وہ کتب ہیں جن کو سب مسلمان محبت اور مؤدت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کے معارف سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور مجھے قبول کرتے ہیں اور میری دعوت کو سچا سمجھتے ہیں سوائے ان سرکش لوگوں کے جن کے دلوں پر خدا تعالیٰ نے مہر لگادی ہے پس وہ قبول نہیں کرتے''۔(ترجمہ عربی عبارت، آئینہ کمالات اسلام۔روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 547-548)۔یہ سیدھا سادھا ترجمہ ہے جس کو مخالفین نے کچھ کا کچھ بنادیا ہے۔

ہزار لعنت

بدزبانی کے ضمن میں ایک اور اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے مخالفین کے بارہ میں لعنت کا لفظ ایک ہزار بار لکھا ہے۔اس اعتراض میں یہ مغالطہ ہے کہ گویا سب مخالفین کے بارہ میں لعنت کا لفظ لکھا گیا ہے۔یہ بات ہرگز درست نہیں۔حق یہ ہے کہ حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے لعنت ڈالنے کا آخری طریق اُن دشمنانِ اسلام کے خلاف اختیار فرمایا جو محبوبِ کبریا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر سبّ وشتم اور گالی گلوچ میں انتہا کو پہنچ چکے تھے۔اسی طرح اسلام اور قرآن مجید پر بھی دلآزار حملوں سے اسلام کا درد رکھنے والے مسلمانوں کے سینے چھلنی کرتے تھے۔جب انتہا ہوگئی تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے محبتِ اسلام وقرآن مجید اور عشقِ رسول عربی ﷺ کے جذبہ سے سرشار ہوکر ایسے ظالموں کے خلاف لعنت کی بددعا کی۔یہ بدبخت ظالم تو لاکھوں کروڑوں لعنتوں کے سزاوار تھے آپ نے محض ایک ہزار لعنت پر اکتفا کی۔انبیاء کرام کی جوابی کارروائی کے بارہ میں حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے فرمایا ہے:

''کسی نبی نے سخت گوئی میں سبقت نہیں کی بلکہ جس وقت بدطینت کافروں کی بدگوئی انتہاء تک پہنچ گئی تب خدا کے اذن سے یا اس کی وحی سے وہ الفاظ انہوں نے استعمال کئے''۔(تتمہ حقیقۃ الوحی۔روحانی خزائن جلد22 صفحہ 452)

بعینہٖ یہی طریق حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے اختیار فرمایا اور جہاں تک کسی

پر لعنت ڈالنے کا سوال ہے۔ قرآن مجید میں اور احادیث میں اس کا جواز ملتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ظالم قوم کے بارہ میں فرماتا ہے: اُولٰٓئِکَ جَزَآءُ هُمْ اَنَّ عَلَیْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (آل عمران 3:88)۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کا بدلہ یہ ہے کہ ان پر یقیناً اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ حساب کیا جائے تو یہ کروڑوں نہیں بلکہ بے حساب لعنتیں بن جاتی ہیں۔

پھر آنحضرت ﷺ کے بارہ میں آتا ہے کہ آپؐ نے ظالموں کے خلاف ایک عرصہ تک فجر کی نماز میں نام لے لے کر ان پر لعنت ڈالی۔ (صحیح بخاری جلد 3 صفحہ 83)۔

پس یہ ہزار لعنت معاندینِ اسلام کے خلاف ہے اور اس کا جواز قرآن اور حدیث میں ملتا ہے۔

وعدہ خلافی کے اعتراض کا جواب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کے حوالہ سے یہ اعتراض بھی اٹھایا جاتا ہے کہ آپ نے ابتداء میں براہین احمدیہ میں اسلام کی تائید میں تین سو دلائل دینے اور کتاب کی پچاس جلدیں شائع کرنے کا وعدہ کیا اور یہ دونوں وعدے پورے نہیں کئے۔

وعدہ خلافی کا الزام تو تب لگ سکتا ہے جب آپ نے کوئی وعدہ کیا ہو۔ جب وعدہ ہی نہ ہو تو اعتراض کیسا؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود واضح طور پر فرمایا ہے کہ ''میں نے پہلے ارادہ کیا تھا کہ اِثباتِ حقیتِ اسلام کے لئے تین سو دلیل براہین احمدیہ میں لکھوں لیکن جب میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ دو قسم کے دلائل (یعنی اسلام کی اعلیٰ تعلیمات اور زندہ معجزات۔ ناقل) ہزار ہا نشانوں کے قائم مقام ہیں۔ پس خدا نے میرے دل کو اس ارادہ سے پھیر دیا اور مذکورہ بالا دلائل کے لکھنے کے لئے مجھے شرح صدر عنایت کیا...... سو میں انشاء اللہ تعالیٰ یہی دونوں قسم کے دلائل اس کتاب میں لکھ کر اس کتاب کو پورا کروں گا''۔

(دیباچہ براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 76)

انبیاء کے سب معاملات اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق پورے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے آپ کے ارادہ کو اس طور سے پورا فرمایا کہ آپ نے براہین احمدیہ کے چار حصوں کے بعد 85 سے زائد کتب لکھیں جن میں یہ مذکورہ بالا دلائل پوری شرح اور بسط کے ساتھ بیان فرمائے اور آخر میں براہین احمدیہ حصہ پنجم لکھ کر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اپنے ارادہ کو مکمل فرمایا۔ جب اصل مقصود پورا ہو گیا تو اعتراض خود بخود باطل ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مذکورہ بالا 300 دلائل جماعت کی طرف سے کتابی صورت میں شائع شدہ ہیں۔

اسی ضمن میں یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ پہلے کتاب براہین احمدیہ کی پچاس جلدیں شائع کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن صرف پانچ جلدیں لکھیں اور وعدہ پورا نہیں ہوا۔ اس کا جواب بھی بنیادی طور پر یہی ہے کہ وعدہ خلافی تو تب ہوتی ہے جب وعدہ کیا گیا ہو۔ جب معین وعدہ ہی نہ تھا تو وعدہ خلافی کا اعتراض کیسے ہو سکتا ہے؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود فرمایا ہے:

''پہلے پچاس حصے لکھنے کا ارادہ تھا مگر پچاس سے پانچ پر اکتفا کیا گیا اور چونکہ پچاس اور پانچ کے عدد میں صرف ایک نقطہ کا فرق ہے اس لئے پانچ حصوں سے وہ وعدہ پورا ہو گیا''۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 9)

اس جواب سے کہ پچاس حصے لکھنے کا اصل مقصد پانچ حصوں سے بتمام وکمال پورا ہو گیا، سعید اور نیک فطرت لوگ تو مطمئن ہو جاتے ہیں لیکن سطحی نظر کے لکیر کے فقیر استہزاء پر اتر آتے ہیں۔ ان لوگوں کو سمجھانے کے لئے یہ مثال کافی ہونی چاہئے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے کو پچاس پاؤنڈ دینے کا وعدہ کیا ہو اور وہ اس کو یہ پچاس پاؤنڈ ایک ایک کر کے دینے کی بجائے دس دس پاؤنڈ کے پانچ نوٹ دیدے تو کیا اِس طرح اُس کا وعدہ پورا نہیں ہو جائے گا؟

اعتراض کرنے والوں کو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ پچاس اور پانچ کے برابر ہونے کا ذکر حدیث نبوی میں بھی ملتا ہے۔ معراج کے موقعہ پر جب آنحضرت ﷺ نے بار بار پچاس نمازوں میں تخفیف کی درخواست کی تو آخری بار اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کرتے ہوئے فرمایا: هِیَ خَمْسٌ وَهِیَ خَمْسُوْنَ (بخاری کتاب الصلوٰۃ) کہ اب فرض نمازوں کی تعداد تو پانچ ہے لیکن یہ پچاس کے برابر شمار ہوں گی۔ اگر یہ خدائی حساب درست ہے اور یقیناً درست ہے اور اس پر کوئی سچا مسلمان اعتراض نہیں کر سکتا تو اگر یہی طرزِ بیان اللہ تعالیٰ کے مسیح اور مہدی علیہ السلام نے اختیار فرمایا تو اس پر اعتراض کیوں؟

اختتامیہ

کسی تحریر کا کمال اس کا مؤثر ہونا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کی تاثیر کا سب سے بڑا اور زندہ جاوید ثبوت وہ سب احمدی ہیں جو ان کتب کو پڑھ کر احمدی ہوئے اور پھر ان کتب نے ان کی زندگیوں میں وہ انقلاب برپا کیا جس نے انہیں ایک ادنیٰ حالت سے اٹھا کر خدا شناس اور پھر خدا نما وجود بنا دیا۔ میں اس سرزمین کے ایک گوہر آبدار انگریز احمدی واقفِ زندگی مبلغ کی مثال دیتا ہوں۔ مکرم بشیر احمد آرچرڈ صاحب عیسائیت چھوڑ کر حقیقی اسلام کی آغوش میں آئے۔ آپ مسیح پاک علیہ السلام کی کتب کے ایسے عاشق تھے کہ آپ نے کتاب ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' پچاس سے زیادہ مرتبہ پڑھی اور ہر بار نیا علم وعرفان حاصل کیا۔ کتب مسیح موعود علیہ السلام کی یہ عظیم الشان تاثیر خود اپنی ذات میں ان تحریرات پر کئے جانے والے سب اعتراضات کا منہ توڑ جواب ہے۔

یہ زندہ جاوید اور زندگی بخش تحریرات ایک طرف اور دوسری طرف یہ اعتراضات کرنے والے۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ اگر واقعی یہ کتب تمہارے زُعم میں جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ اگر تم یہ یقین رکھتے ہو کہ جو اِن کو پڑھ لے گا وہ کبھی احمدیت کی آغوش میں نہیں آئے گا تو پھر تم اِن کتب کو خود شائع کر کے ساری دنیا میں پھیلا کیوں نہیں دیتے؟ آخر کیا وجہ ہے کہ جماعت احمدیہ کو پاکستان میں ان کتب کی اشاعت تک کی بھی اجازت نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے مخالفین کے دلوں میں ایک چھپا ہوا خوف ہے کہ ان کتابوں کے پڑھنے سے لوگ احمدیت یعنی حقیقی اسلام کے عافیت بخش پیغام کی طرف مائل ہو جائیں گے۔

حق بات یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ تحریرات نور اور ہدایت کا ایک بے نظیر خزانہ ہیں۔ یہ بابرکت کتب جو قرآن مجید اور سنت واحادیث پر مبنی ہیں اس دَور میں حقیقی اسلام کو سمجھنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ اسلام کی حقیقت سمجھنے

باقی صفحہ 8 پر ملاحظہ فرمائیں

اطاعت خلافت کے رُوح پرور واقعات

(جلسہ سالانہ یوکے 2012ء کے موقع پر مکرم منیر احمد خادم صاحب ناظر اصلاح وارشاد مرکزیہ قادیان کی یہ تقریر مکرم عبدالغنی جہانگیر خان صاحب انچارج فرنچ ڈیسک لندن نے پڑھ کر سنائی۔)

وَعَدَاللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوا مِنکُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُم فِی الْأَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِن قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِیْ ارْتَضَی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُم مِّن بَعْدِ خَوْفِھِمْ أَمْناً یَعْبُدُونَنِیْ لَا یُشْرِکُونَ بِیْ شَیْئاً وَمَن کَفَرَ بَعْدَ ذَلِکَ فَأُوْلٰئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُونَ ۔ (سورۃالنور:آیت 56)

ترجمہ: تم میں سے جولوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے اُن سے اللہ نے پختہ وعدہ کیا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اُس نے اُن سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا اوران کے لئے ان کے دین کو، جواس نے ان کے لئے پسند کیا، ضرور تمکنت عطا کرے گا اوران کی خوف کی حالت کے بعد ضرور انہیں امن کی حالت میں بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور جواس کے بعد بھی ناشکری کرے تو یہی وہ لوگ ہیں جو نافرمان ہیں۔

خاکسار کی تقریر کا عنوان ''اطاعت خلافت کے روح پرور واقعات'' ہے۔ مذکورہ بالا آیت استخلاف میں خلافت کی عظیم الشان اہمیت و برکات کا بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ برکات تب تک جماعت مؤمنین کو حاصل ہوتی رہیں گی جب تک وہ خلافت کی اطاعت کی رسّی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہیں گے۔ بصورت دیگر فاسق اور بدعہد قرار دیئے جا کر تمام تر برکاتِ اسلامیہ سے محروم کر دیئے جائیں گے۔ اس آیت استخلاف سے اُوپر کی آیت میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کا ذکر فرما کر اس ضمن میں آگے خلافت کا مضمون بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ أَطِیْعُوا اللّٰہَ وَأَطِیْعُوا الرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوا فَإِنَّمَا عَلَیْہِ مَا حُمِّلَ وَعَلَیْکُم مَّا حُمِّلْتُمْ وَإِن تُطِیْعُوہُ تَھْتَدُوا وَمَا عَلَی الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ (سورہ نور: آیت 55)

یعنی کہہ دے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پس اگر تم پھر جاؤ تو اس پر صرف اتنی ہی ذمہ داری ہے جو اس پر ڈالی گئی اور تم پر بھی اُتنی ہی ذمہ داری ہے جتنی تم پر ڈالی گئی ہے اور اگر تم اس کی اطاعت کرو تو ہدایت پا جاؤ گے اور رسول پر کھول کھول کر پیغام پہنچا دینے کے سوا کچھ ذمہ داری نہیں۔

آیت استخلاف کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے فوائد کا ذکر کر کے معاً بعد خلافت کا ذکر کرنا بتاتا ہے کہ جس طرح اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت لازمی ہے اور جس طرح اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے عظیم الشان فوائد حاصل ہوتے ہیں اور نافرمانی سے انسان فاسق بن جاتا ہے اسی طرح خلافت احمدیہ کی اطاعت بھی عظیم الشان ہدایت کا باعث اور نافرمانی گمراہی اور فسق کا موجب بنتی ہے۔ جس کی انتہاء بالآخر تفرق وتشتت اور نکبت وادبار پر ہوتی ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا یعنی اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرق وتشتت کا شکار نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح ارشاد فرمایا ہے کہ تم پر میری سُنّت اور خلفاء راشدین المہدیّین کی سنّتوں کی پیروی لازمی ہے۔

(ترمذی کتاب العلم بابُ الاخذِ بالسّنة، ابوداؤد کتاب السّنة باب لزوم السّنة)

حضرت عرباض بن ساریہؓ بیان کرتے ہیں ایک بار آنحضرت ﷺ نے ایک ایسا پُر اثر وعظ فرمایا کہ جس کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے دل ڈر گئے ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! یہ تو ایسی نصیحت ہے جیسے ایک الوداع کہنے والا وصیت کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں ایک روشن اور چمکدار راستے پر چھوڑے جارہا ہوں اس کی رات بھی اس کے دن کی طرح ہے سوائے بدبخت کے اس سے کوئی بھٹک نہیں سکتا۔ تمہیں میری سنت پر اور خلفاء راشدین المہدیّین کی سنت پر چلنا چاہئے۔ تم اطاعت کو اپنا شعار بناؤ خواہ حبشی غلام ہی تمہارا امیر مقرر کر دیا جائے۔ (مسند احمد جز 4 صفحہ 126، ابو داؤد کتاب السنة باب فی لزوم السُّنة)

اسی طرح سرور کائنات حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تو رُوئے زمین پر خلیفۃ اللہ کو دیکھے تو اس کی کامل اطاعت کرتے ہوئے اس سے چمٹ جا، چاہے تیرا جسم نوچ لیا جائے یا تیرا مال چھین لیا جائے۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 5 صفحہ 403)

چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت کو نہایت احتیاط کے ساتھ اپنے پلے باندھ لیا اور ہر حال میں ان کی اطاعت کے عہد کو نبھایا اور اس کی بے نظیر مثالیں قائم کیں۔ اور آج جماعت احمدیہ اس نصیحت پر مضبوطی سے قائم ہے۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ شام کے علاقہ میں مسلم افواج کے کمانڈر انچیف تھے لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننے کے بعد بعض مصالح کی وجہ سے آپ کو معزول کر کے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو کمانڈر انچیف مقرر فرمایا۔ جب یہ اطلاع خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ملی تو آپ بلا چوں و چرا اپنے عہدے سے الگ ہوئے اور اطاعتِ خلافت کا شاندار نمونہ پیش کرتے ہوئے خود لوگوں کو خطاب کے ذریعے بتایا کہ لوگو اب خلیفۃ الرسول کی طرف سے ابوعبیدہ بن الجراح (امینُ الامّت) سپہ سالار مقرر ہوئے ہیں ان کی اطاعت کرو۔ آپ خود چل کر ابوعبیدہ کے پاس گئے اور انہیں سپہ سالاری سونپ دی۔

(بحوالہ سیرت صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم از مکرم حافظ مظفر احمد صاحب صفحہ 145)

عسکری تاریخ میں شاذ ہی ایسی مثال ملے گی کہ دورانِ جنگ کمانڈر انچیف تبدیل ہو کر نئے کمانڈر کے ماتحت اُسی جنگ میں شامل رہے۔ لیکن یہ سب خلافت کی اطاعت کے سبب ممکن ہوا کیونکہ صحابہ جانتے تھے کہ ساری کامیابیوں کا دارومدار

اطاعتِ خلافت میں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جبکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں بعض امور میں باہم اختلاف تھا اور جسے دیکھ کر روم کے بادشاہ نے اسلامی مملکت پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسے لکھا کہ ہوشیار رہنا ہمارے آپس کے اختلاف سے دھوکا نہ کھانا۔ اگر تم نے حملہ کیا تو حضرت علی کی طرف سے جو پہلا جرنیل تمہارے مقابلہ کے لئے نکلے گا وہ مَیں ہوں گا۔لیکن خلافت راشدہ کے بعد جب اطاعت کی رُوح ختم ہوگئی تو سپین کے مسلمان بادشاہوں نے مشرقی رومی حکومت سے اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے خلاف اتحاد کیا اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے جس کے نتیجہ میں دن بدن اِدبار اور ذلت مسلمانوں کا نصیب بنتی چلی جارہی ہے اور یہ سلسلہ بالآخر تب ہی ختم ہوگا جب پھر مسلمان خلافت علیٰ منہاج نبوّت پر ایمان کے ساتھ ساتھ اس کی کامل اطاعت کو اپنی زندگیوں کا حصہ بنالیں گے۔

آج پھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق اور اپنے مبارک وعدہ کے موافق ہم میں خلافت علیٰ منہاج نبوّت کے سلسلہ کو قائم فرمایا ہے۔اور جیسا کہ آیت استخلاف میں اللہ تعالیٰ نے اطاعت کے اعلیٰ معیاروں کے مطابق ایمان واعمال صالحہ کو اس کے قیام کی شرط قرار دیا ہے بفضلہ تعالیٰ جماعت احمدیہ اپنے ابتدا کے دنوں سے اس معیار پر قائم ودائم ہے۔سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسے خدام عطا فرمائے کہ اطاعت ووفا ان کا اوڑھنا بچھونا تھی۔آپ حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں:''وہ ہر امر میں میری اس طرح پیروی کرتے ہیں جس طرح نبض حرکتِ قلب کی پیروی کرتی ہے۔''(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 581)

حضرت مصلح موعودؓ کو اطاعتِ خلافت کا سَرٹیفکیٹ تو خود حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے بایں الفاظ عطا فرمایا:''میاں محمود بالغ ہے اس سے پوچھ لو کہ وہ سچا فرمانبردار ہے...... مَیں خوب جانتا ہوں کہ وہ میرا سچا فرمانبردار ہے اور ایسا فرمانبردار ہے کہ تم (میں سے) ایک بھی نہیں۔''(اخبار بدر 4 جولائی 1912ء صفحہ 7)

حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ حضرت مصلح موعودؓ کے بارہ میں بیان کرتے ہیں کہ ''خلافت اولیٰ کے زمانہ میں مَیں نے دیکھا کہ جو ادب واحترام اور جو اطاعت اور فرمانبرداری آپ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی کرتے تھے اس کا نمونہ کسی اور شخص میں نہیں پایا جاتا تھا۔آپ کے ادب کا یہ حال تھا کہ جب آپ حضرت خلیفۃ المسیح الاول کی خدمت میں جاتے تو آپ دوزانو ہوکر بیٹھ جاتے۔اور جتنا وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہتے اسی طرح دوزانو ہی بیٹھے رہتے۔میں نے یہ بات کسی اور صاحب میں نہیں دیکھی۔اسی طرح آپ ہر امر میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی پوری پوری فرمانبرداری کرتے کسی امر کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کا ارشاد ہوتا تو آپ اسکی پوری پوری تعمیل کرتے''۔(الحکم قادیان 28 دسمبر 1939ء صفحہ 8)

یہی حال حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ، حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کا تھا۔یہ سبھی خلفاء مسند خلافت پر متمکن ہونے سے قبل اپنے سے پہلے خلیفہ کی عزّت واحترام اطاعت ووفا میں بے مثال تھے۔خلیفۂ وقت کے ہر حکم پر عمل کرنے کے لئے اس طرح تیار رہتے تھے کہ پھر اللہ نے اس کے نتیجہ میں ان کو خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا اور اَوروں کو منور کرنے کے لئے نورِ خلافت بخشا۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اطاعت کے عظیم الشان فوائد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''اطاعت ایک ایسی چیز ہے کہ اگر سچے دل سے اختیار کی جائے تو دل میں ایک نور اور رُوح میں ایک لذت اور روشنی آتی ہے مجاہدات کی اس قدر ضرورت نہیں جس قدر اطاعت کی ضرورت ہے۔(الحکم 10 فروری 1901ء صفحہ 1)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''چاہئے کہ تمہاری حالت اپنے امام کے ہاتھ میں ایسی ہو جیسے میت غسال کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔تمہارے تمام ارادے اور خواہشیں مُردہ ہوں اور تم اپنے آپ کو امام کے ساتھ ایسا وابستہ کرلو جیسے گاڑیاں انجن کے ساتھ اور پھر دیکھو کہ ہر روز ظلمت سے نکلتے ہو یا نہیں۔(خطبہ عیدالفطر جنوری 1903ء بحوالہ خطبات نور صفحہ 131)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:''خلافت کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ جس وقت خلیفہ کے منہ سے کوئی لفظ نکلے اس وقت سب سکیموں سب تجویزوں اور سب تدبیروں کو پھینک کر رکھ دیا جائے اور سمجھ لیا جائے کہ اب وہی سکیم وہی تجویز اور وہی تدبیر مفید ہے جس کا خلیفہ وقت کی طرف سے حکم ملا ہے۔''

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:''خلفاء کی اطاعت کا حکم دراصل اسلئے دیا گیا ہے کہ اسکے ذریعہ خدا تعالیٰ تمہیں رفعت بخشنا چاہتا ہے۔''

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:''خلافت کے خلاف بے ادبی کرنے والوں کا کبھی بھی مَیں نے نیک انجام ہوتے نہیں دیکھا۔وہ بھی تباہ ہوئے اور ان کی اولاد بھی تباہ ہوئی۔اس لئے ہمیشہ کامل غلامی کے ساتھ خلافت کی اطاعت کا عہد کریں اور اس پر قائم رہیں۔''(الفضل انٹرنیشنل 18 جولائی صفحہ 63)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

''اگر آپ نے ترقی کرنی ہے اور دُنیا پر غالب آنا ہے تو میری آپ کو یہی نصیحت ہے اور میرا یہی پیغام ہے کہ آپ خلافت سے وابستہ ہوجائیں ...... ہماری ساری ترقیات کا دارومدار خلافت سے وابستگی میں ہی پنہاں ہے۔''

(الفضل انٹرنیشنل 23 مئی 2003ء صفحہ 1)

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے کہ جماعت احمدیہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے عرصہ سوسال سے خلافت کی رسّی سے چمٹی ہوئی ہے اور اس گُر کو سمجھ چکی ہے کہ اس کی تمام ترقیات خلافت احمدیہ سے وابستہ ہیں۔اور بفضلہ تعالیٰ ایمان اور اعمالِ صالحہ کے تمام میدانوں میں خلافت کی کامل اطاعت وفرمانبرداری کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہے۔چاہے عبادت کا میدان ہو، مالی قربانی کا میدان ہو، مخلوق خدا سے ہمدردی کا میدان ہو۔اگر خلیفۂ وقت نے نمازوں کی ادائیگی کی تلقین کی تو مساجد بھرنی شروع ہوگئیں۔مریض اور معمر حضرات بھی گھروں میں بند رہنے کو باعث تکلیف سمجھنے لگے۔اگر مالی قربانی کی تلقین کی تو غریب مزدوروں نے بھی قربانی کے وہ اعلیٰ معیار قائم کئے جو تاریخ احمدیت میں سنہری حروف سے رقم ہیں۔غریب عورتوں نے اپنے گلے کے زیور اُتار دیئے۔امراء نے زمینیں اور جائیدادیں وقف کردیں۔قرآن مجید پڑھنے کی تحریک کی تو بڑی سے بڑی عمر کے لوگوں نے قرآن مجید باترجمہ پڑھنا شروع کردیا۔حفظ قرآن کی تحریک کی تو بوڑھوں نے بھی قرآن

مجید حفظ کرنا شروع کر دیا۔ اور پھر جانوں کی قربانی کا موقع آیا تو خلیفۂ وقت کی محبت میں اپنی جانوں کے نذرانے پیش کردئے۔

خاکسار اب اطاعت خلافت کے چند ایمان افروز واقعات آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہے جن سے خلیفۂ وقت سے محبت اور اخلاص اور اطاعت و وفا کے درخشندہ موتی چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ہمارے بزرگوں نے خلافت احمدیہ کی وفاداری اور اطاعت میں دنیا کی رنگینیوں کو لات ماردی اور خلیفۂ وقت کے در پر دھونی رما کر بیٹھ گئے اور اس کی چاکری کرنے کو ترجیح دی۔ چنانچہ سیدنا حضرت اقدس امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ 22 اپریل 2011ء میں دلوں کو گرما دینے والا ایک رُوح پرور واقعہ یُوں بیان فرمایا:

''ہمارے ایک پُرانے بزرگ عبدالمغنی خان صاحب نے علیگڑھ یونیورسٹی سے کیمسٹری کے ساتھ بی ایس سی کی۔ اس زمانے میں عام طور پر مسلمان لڑکے سائنس کم پڑھتے تھے۔ وائس چانسلر نے کہا تم نے یہ مضمون بھی اچھا لیا اور اعلیٰ کامیابی بھی حاصل کی ہے ہم تمہیں یونیورسٹی میں جاب دیتے ہیں۔ آگے پڑھائی بھی جاری رکھنا۔ ان کے والد صاحب نے کسی انگریز دوست سے سفارش کی ہوئی تھی اس نے بھی اُنہیں کسی اچھے جاب کی آفر کی پھر اُن کو یہ مشورہ بھی ملا کہ ہوشیار ہیں انڈین سول سروس کا امتحان دے کر اس میں شامل ہو جائیں۔ خان صاحب ان دنوں قادیان آئے ہوئے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا۔ تمام باتیں حضور کی خدمت میں پیش کیں اور ساتھ عرض کی کہ حضور مَیں تو دنیاداری میں پڑنا نہیں چاہتا۔ مَیں تو قادیان میں رہ کر اگر قادیان کی گلیوں میں مجھے جھاڑو پھیرنے کا ہی کام مل جائے تو اسے ان اعلیٰ نوکریوں کے مقابل پر ترجیح دوں گا''۔

(ہفت روزہ بدر 23 جون 2011ء)

خلافت احمدیہ سے محبت و اطاعت کا ایک عظیم واقعہ جو تاریخ احمدیت کا ایک روشن باب ہے 1947ء میں اس وقت پیش آیا جبکہ حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے حکم سے 313 درویشان کرام نے نہایت پُرخطر حالات میں اپنی جان کی بازی لگا کر قادیان دارالامان میں رہنے کو ترجیح دی۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اُن درویشان کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

''اب جو لوگ وہاں رہیں ان کو یہ سمجھ کر رہنا چاہئے کہ انہوں نے مکّی زندگی اور مسیح ناصری والی زندگی کا نمونہ دکھانا ہے۔ نصیحت اور تبلیغ اور ضمیر کے سامنے اپیل کرنے سے کام لینا چاہئے۔ اور دُعا و گریہ وزاری اور انکساری سے کام لینا چاہئے۔ اور ظلم برداشت کرتے ہوئے ظلم کو روکنے کی کوشش کرنی چاہئے جب تک یہ طریق ہماری وہاں کی آبادی نہیں دکھائے گی دوبارہ قادیان کو فتح کرنا مشکل ہے۔''

(بدر درویشان قادیان نمبر 15 تا 29 دسمبر 2011ء صفحہ 19)

اسی طرح ایک موقع پر درویشان قادیان کو اپنے پیغام میں فرمایا:

''اگر سلسلہ کی ضروریات مجبور نہ کرتیں تو میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہوتا۔ لیکن زخمی دل اور افسردہ افکار کے ساتھ آپ سے دُور اور قادیان سے باہر بیٹھا ہوں''۔ (بدر ایضاً صفحہ 15)

ان درویشان کرام نے ابتدا میں محاصرہ اور بائیکاٹ کی زندگی گزاری اور خلافت کی اطاعت اور اس کی محبت میں یہ سب برداشت کیا۔ مکرم چوہدری بدرالدین عامل صاحب درویش مرحوم اپنے ایک مضمون میں بیان کرتے ہیں:

''الحمد للہ اس سختی کے دَور میں درویشان نے جو بھی صورت حال اور مشکل درپیش ہوئی خود برداشت کی۔ اور اس کا المناک اثر اپنے بزرگوں تک نہیں پہنچنے دیا۔ ہم سب بشاشت قلبی سے ان تکالیف کو برداشت کرتے تھے اور یہ یاد کر کے دل میں ایک گونہ اطمینان ہوتا تھا کہ ہمارے آقا کو اسلام کے صدر اوّل میں بھی مخالفین کے بائیکاٹ کے باعث شعب ابی طالب میں جو تکالیف اُٹھانی پڑی تھیں ہماری یہ تکالیف تو ان کے مقابل پر کچھ بھی نہیں ہیں۔'' (بدر ایضاً صفحہ 34)

مکرم چوہدری فیض احمد صاحب درویش مرحوم اپنے ایک مضمون میں درویشان کرام کی قربانیوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''ہم نے اپنے محبوب امام کی اطاعت کر کے اپنی مظلومیت ...... صبر وضبط کی خداداد طاقت سے یہ سب کچھ بخوشی برداشت کر لیا اور ایسے موقع پر مقامات مقدسہ کی حرمت ہمارے پیش نظر رہی''۔ (بدر ایضاً صفحہ 47)

اطاعت خلافت کے ان مجسّموں کی عظیم قربانیوں کو دیکھ کر حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے درویشان کے متعلق فرمایا:

''آپ لوگ وہ ہیں جو ہزار ہا سال تک احمدیت کی تاریخ میں خوشی اور فخر کے ساتھ یاد رکھے جائیں گے اور آپکی اولادیں عزت کی نگاہ سے دیکھی جائیں گی اور خدا کی برکات کی وارث ہوں گی کیونکہ خدا کا فضل بلاوجہ کسی کو نہیں ملتا''۔ (بدر ایضاً صفحہ 48)

اس موقع پر ایک عظیم درویش حضرت مرزا وسیم احمد صاحب مرحوم ومغفور کا ذکر کرنا نہایت ضروری ہے۔ آپ 1977ء سے 2007ء تک تیس سال کا لمبا عرصہ ناظر اعلیٰ و امیر مقامی قادیان کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے اور دَور درویشی میں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قابل تقلید نمائندگی کی۔ آپ نے اپنے جلیل القدر باپ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی وفات کی جدائی بھی برداشت کی۔ لیکن خلافت کی محبت میں قادیان میں رہنے کا عہد اور وقف زندگی کا عہد خوب خوب نبھایا۔ سیدنا حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز آپ کے متعلق اپنے خطبہ فرمودہ 4 مئی 2007ء میں فرماتے ہیں:

''1982ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی وفات ہوئی تو اس موقع پر بھی آپ ربوہ نہیں جاسکتے تھے۔ آپ کی بیٹی امۃ الرؤف کا بیان ہے کہ آپ

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر ہمارے عمل اس قابل نہیں، ہماری عبادتیں سوز وگداز سے بھری ہوئی نہیں، ہم اللہ کی نظر میں مقبول نہیں تو لاکھ ہم ﴿نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ﴾ کہتے رہیں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور دوسرے لوگ آ کر یہ مقام لے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ تو اس طرح قبول نہیں کرتا وہ تو یہی کہے گا کہ پہلے اپنی حالت درست کرو، اپنے اعمال درست کرو، انسانی حقوق ادا کرو، پھر میرے دین کے مددگار کہلا سکتے ہو۔''

(سالانہ اجتماع انصاراللہ یوکے 2005ء سے خطاب)

کوخلافت سے بے انتہا عشق تھا اور حضور کی وفات کے اگلے روز ایک خط لے کرامی کے اور میرے پاس لائے کہ اس کو پڑھ لواور اس پر دستخط کردو۔ اس میں بغیر نام کے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کی بیعت کرنے کے متعلق لکھا تھا۔ لکھا تھا کہ یہ سب ابھی بھجوا رہا ہوں تو یہ بیٹی کہتی ہیں کہ مَیں نے اس پر کہا کہ ابا ابھی تو خلافت کا انتخاب بھی نہیں ہوا۔ ہمیں پتہ نہیں کہ کون خلیفہ بنے گا تو کہتے ہیں کہ میں نے خلیفہ کا چہرہ دیکھ کر بیعت نہیں کرنی بلکہ مَیں نے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خلافت کی بیعت کرنی ہے۔ تو یہ تھا خلافت سے عشق اور محبت اور اس کا عرفان۔ اللہ کرے ہر ایک کو حاصل ہو"۔ (بدر ایضاً صفحہ 25)

1923ء میں ملکانہ کے علاقے میں مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک شدھی نے زور پکڑا۔ امّت مسلمہ کی یہ حالت دیکھ کر حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا دل بے قرار ہوا اور آپ نے اسی سال 9 مارچ کو خطبہ جمعہ میں احمدیوں کو اپنے خرچ پر ان علاقوں میں جانے اور تبلیغ کے ذریعے ان مرتدین کو اسلام میں لانے کا منصوبہ جماعت کے سامنے رکھا۔ آپ نے فرمایا:

"ہر ایک کو اپنا کام آپ کرنا ہوگا۔ اگر کھانا آپ پکانا پڑے گا تو پکائیں گے۔ اگر جنگل میں سونا پڑے گا تو سوئیں گے۔ جو اس محنت اور مشقت کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں وہ آئیں۔ ان کو اپنی عزّت اپنے خیالات قربان کرنے پڑیں گے۔ ایسے لوگوں کی محنت باطل نہیں جائے گی۔ ننگے پیر چلیں گے۔ جنگلوں میں سوئیں گے۔ خُدا ان کی اس محنت کو جو اخلاص سے کی جائے گی ضائع نہیں کرے گا۔ اس طرح جنگلوں میں ننگے پاؤں پھرنے سے ان کے پاؤں میں جو سختی پیدا ہو جائے گی وہ حشر کے دن جب پل صراط سے گزرنا ہوگا ان کے کام آئے گی۔ مرنے کے بعد ان کو جو مقام ملے گا وہ راحت اور آرام کا مقام ہوگا"۔ (الفضل 15 مارچ 1923ء صفحہ 6)

اس تحریک پر جماعت نے والہانہ لبیک کہا۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ، سرکاری ملازمین، اساتذہ، تجّار غرضیکہ ہر طبقے سے فدائی ان علاقوں میں دعوت الی اللہ کرتے رہے۔ اوران کی مساعی کے نتیجہ میں ہزاروں روحیں ایک بار پھر خدائے واحد کا کلمہ پڑھنے لگیں اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جھکیں۔

ایک معمر بزرگ قاری نعیم الدین صاحب بنگالی نے اگلے ہی روز جب حضور مجلس میں تشریف رکھتے تھے اجازت لے کر عرض کیا کہ گو میرے بیٹے مولوی ظلّ الرحمٰن اور مطیع الرحمٰن متعلم بی اے کلاس نے مجھ سے کہا نہیں، مگر مَیں نے اندازہ کیا ہے کہ حضور نے جو کل راجپوتانہ میں جا کر تبلیغ کرنے کے لئے وقف زندگی کی تحریک کی ہے اور جن حالات میں وہاں رہنے کی شرائط پیش کی ہیں، شائد ان کے دل میں ہو کہ اگر وہ حضور کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کریں گے تو مجھے جو اُن کا بوڑھا باپ ہوں تکلیف ہوگی۔ لیکن میں حضور کے سامنے خدا تعالیٰ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ مجھے ان کے جانے اور تکالیف اٹھانے میں ذرا بھی غم یا رنج نہیں۔ میں صاف صاف کہتا ہوں کہ اگر یہ دونوں خدا کی راہ میں کام کرتے ہوئے مارے بھی جائیں تو مَیں ایک بھی آنسو نہیں گراؤں گا بلکہ خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کروں گا۔ پھر یہی دونوں نہیں میرا تیسرا بیٹا محبوب الرحمٰن بھی اگر خدمت اسلام کرتا ہوا مارا جائے اور اگر میرے دس بیٹے ہوں اور وہ بھی مارے جائیں تو بھی میں کوئی غم نہیں کروں گا...... اس پر حضور نے اور احباب نے جزاک اللہ کہا۔ (الفضل 15 مارچ 1923ء صفحہ 11)

جماعت احمدیہ کی مستورات بھی خلافت کی اطاعت میں ہمیشہ پیش پیش رہی ہیں۔ تحریک شدھی کے دنوں ہی میں ایک احمدی خاتون نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ حضور میں صرف قرآن مجید جانتی ہوں اور تھوڑا سا اُردو۔ مَیں نے اپنے بیٹے سے سُنا ہے کہ مسلمان مرتد ہو رہے ہیں اور حضور نے وہاں جانے کا حکم دے دیا ہے۔ مجھے ابھی اگر حکم ہو تو فوراً تیار ہو جاؤں۔ بالکل دیر نہ کروں گی۔ خدا کی قسم اُٹھا کر کہتی ہوں۔ ہر تکلیف اُٹھانے کو تیار ہوں۔

ایک غریب عورت جس کا گزارا جماعتی وظیفہ پر تھا حضور کے سامنے حاضر ہو کر یوں گویا ہوئی: دیکھیں یہ سر کا جو دوپٹہ ہے یہ بھی جماعت کا ہے، یہ میرے کپڑے بھی جماعت کے وظیفے کے بنے ہوئے ہیں۔ میری جوتی بھی جماعت کی دی ہوئی ہے۔ کچھ بھی میرا نہیں میں کیا پیش کروں۔ حضور صرف دو روپے ہیں جو جماعت کے وظیفے سے ہی میں نے اپنے لئے اپنی کسی ضرورت کے لئے جمع کئے ہوئے تھے یہ میں پیش کرتی ہوں کہ کسی طرح اس شدھی کی تحریک کا رُخ پلٹ جائے۔ (زھق الباطل صفحہ خطبات حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ حکومت پاکستان کے شائع کردہ رسالہ قادیانیت - اسلام کے لئے سنگین خطرہ' کا جواب 44)

اور دنیا نے دیکھا کہ خلافت کے ان متوالوں نے شدھی کے اس رُخ کو اللہ کے فضل وکرم سے پلٹا اور آج بھی اس دَور کی مخلص جماعتیں قائم ہیں۔

خلافت کی اطاعت میں جذبات کی عظیم الشان قربانی کا ولولہ انگیز اور قابل تقلید واقعہ سماعت فرمائیے۔ پاکستان کے ایک سابق وزیر اعظم سر فیروز خان نون کے رشتہ دار ملک صاحب خان نون مخلص احمدی تھے۔ کسی سبب سے اپنے دو بھائیوں یعنی سر فیروز خان اور میجر ملک سردار خان سے ناراض ہو گئے اور تعلق منقطع کر لئے۔ سارے خاندان پر ملک صاحب خان کا رعب تھا۔ اس لئے ان سے تو کوئی بات نہ کر سکا۔ سر فیروز خان نون حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے کہ ہماری صلح کروائیں۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ نے ملک خان صاحب نون کو طلب کیا اور فرمایا: "اتنی رنجش اور ناراضگی بہت نامناسب ہے۔ آپ پہلے سر فیروز خان صاحب کے پاس جا کر معذرت کریں اور پھر اپنے چھوٹے بھائی میجر سردار خان صاحب سے معافی مانگیں اور پھر آج ہی مجھے رپورٹ دیں۔"

ملک صاحب خان نے ایک دوست کو یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ حضور کے اس حکم سے میرے دل میں انقباض پیدا ہوا کہ حضور نے ناراضگی کی وجہ دریافت فرمائے بغیر چھوٹے بھائیوں کے سامنے مجھے جھکنے کا حکم دے دیا۔ تاہم میری مجال نہ تھی کہ تعمیل ارشاد میں تاخیر کرتا۔ چنانچہ پہلے سر فیروز خان صاحب کی کوٹھی پر حاضر ہوا وہ بڑی محبت سے میری طرف لپکے اور زار و قطار روتے ہوئے کہنے لگے میں قربان جاؤں مرزا محمود پر جنہوں نے ہمارے خاندان پر یہ احسانِ عظیم کیا۔ جب میں نے ان سے معافی مانگی تو کہنے لگے آپ میرے عزیز ترین بڑے بھائی ہیں آپ مجھے خدا کے لئے معاف کر دیں... پھر میں جلد ہی ان سے بمشکل اجازت لیکر میجر صاحب کے ہاں پہنچا وہ بھی خوشی اور ممنونیت کے جذبات سے مغلوب تھے۔ ان کے اصرار پر بھی وہاں نہ رُکا کیونکہ حضور نے رپورٹ دینے کا حکم دے رکھا تھا۔ چنانچہ سیدھا حضور کے پاس پہنچا اور سارا ماجرا سُنایا۔ حضور بہت خوش ہوئے اور اپنے پاس بٹھا کر فرمایا۔ آپ کے لئے میرا یہ حکم دل پسند تو شاید نہ ہوا ہوگا

کہ کسی قسم کی تحقیقات کرنے یا ناراضگی کی وجوہ معلوم کرنے کے بغیر ہی آپ کو حکم دیدیا کہ جاؤ اپنی عمر سے چھوٹے بھائیوں سے معافی مانگو۔ وجہ یہ تھی کہ آپ نے میری بیعت کی ہوئی ہے۔ سرفیروز خان اور میجر سردار خان کے ساتھ تو میرے معاشرتی تعلقات ہی ہیں۔ وہ میرے حکم کے پابند تو نہیں، مگر آپ پابند ہیں۔ پھر حدیث ہے کہ جو اپنے رُوٹھے ہوئے بھائی کو منانے میں پہل کرے گا وہ پانچ سو سال پہلے جنّت میں جائے گا۔ یہ استعارہ کا کلام ہے مگر بہرحال اس حدیث کی رُو سے آپ ایک ہزار سال پہلے جنّت میں جائیں گے۔ پھر سوچ لیں کہ یہ کس قدر فائدہ اور منافع کا سودا ہے۔ (ماہنامہ خالد سیدنا مصلح موعود نمبر جون جولائی 2008 ،صفحہ 264)

انتخاب خلافت خامسہ لندن کے موقعہ پر خلافت کے فدائیوں کا ایک ایمان افروز واقعہ جس کو ایم ٹی اے کے ذریعہ پوری دنیا میں دیکھا گیا، مکرم مولانا عطاء المجیب راشد صاحب امام مسجد فضل لندن کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔ آپ بیان کرتے ہیں: ''سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جب لوگوں کو مسجد میں کھڑے دیکھا تو فرمایا بیٹھ جائیں۔ مسجد میں احباب کا ہجوم تھا۔ حضور انور ایدہ اللہ کی آواز جذبات سے مغلوب تھی اور مائیک بھی حضور انور ایدہ اللہ سے کچھ فاصلہ پر تھا اس لئے قریبی احباب نے تو یہ آواز سن لی اور فوری تعمیل کی۔ مَیں قریب ہی مائیک کے عین سامنے کھڑا تھا۔ مجھے اچانک خیال آیا کہ حضور انور ایدہ اللہ کے فرمائے ہوئے الفاظ اور یہ پہلا ارشاد تو فوراً سب احباب تک پہنچنا لازم ہے۔ چنانچہ ایک جذبہ کے زیر اثر مَیں نے مائیک پر اعلان کر دیا کہ حضور انور ایدہ اللہ نے فرمایا ہے کہ سب احباب بیٹھ جائیں۔ مسجد فضل کے سامنے کا حصہ احاطہ مسجد اور قریبی علاقہ اس وقت دس گیارہ ہزار احمدیوں سے بھرا پڑا تھا جو اس وقت بڑے جذبۂ فدائیت کیساتھ جماعت احمدیہ عالمگیر کے نئے منتخب ہونے والے خلیفہ کے رُخ انور کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے آگے سے آگے آنے کی کوشش میں تھے۔ لیکن جونہی حضور انور ایدہ اللہ کا یہ ارشاد ان کے کانوں تک پہنچا ان سب کے قدم فوراً اُسی جگہ رُک گئے اور دس ہزار سے زائد کا مجمع اُسی وقت زمین پر بیٹھ گیا جس طرح تیز ہوا کے چلنے سے گندم کے خوشے زمین پر بچھ جاتے ہیں۔ یہ نظارہ بہت ہی ایمان افروز تھا۔ خلیفۂ وقت کے ارشاد پر فوری تعمیل کے اس والہانہ انداز نے قرون اُولیٰ میں اور ہمارے اس دور آخرین میں صحابہ کرام کے نمونوں کو تازہ کر دیا۔ اطاعت اور فدائیت کا یہ عظیم نمونہ تاریخ احمدیت میں ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

(تشحیذ الاذہان، سیدنا مسرور ایدہ اللہ نمبر صفحہ 95،96)

اپنے امام کے اشارہ پر اُٹھنا اور اشارہ پر بیٹھنا ہمیشہ سے ہمارا طرۂ امتیاز رہا ہے، جس کا اقرار ہمارے دشمن بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مصلح موعودؓ کے عہد میں معاند احمدیت مولانا ظفر علی خان ایڈیٹر اخبار زمیندار نے لکھا: ''احرار یو! کان کھول کر سن لو تم اور تمہارے لگے بندھے مرزا محمود کا مقابلہ قیامت تک نہیں کر سکتے...... مرزا محمود کے پاس قرآن کا علم ہے......مرزا محمود کے پاس ایسی جماعت ہے جو تن من دھن اس کے ایک اشارہ پر اس کے پاؤں میں نچھاور کرنے کو تیار ہے۔''

(ایک خوفناک سازش مولوی مظہر علی اظہر صفحہ 195، تاریخ احمدیت جلد 6 صفحہ 513)

اپنی اس فرمانبردار جماعت پر بجا طور پر اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ نے 12 مارچ 1944ء کو ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا: ''خدا نے کیسے کام کرنے والے وجود مجھے دیئے ہیں۔ خدا نے مجھے وہ

'وقت نہایت قیمتی چیز ہے جو وقت کو استعمال کرے گا وہی جیتے گا اور جو ضائع کرے گا وہ ہار جائے گا'
(فرمان مصلح موعود الفضل 23 فروری 1952ء)

تلواریں بخشی ہیں جو کفر کو ایک لحظہ میں کاٹ کر رکھ دیتی ہیں۔ خدا نے مجھے وہ دل بخشے ہیں جو میری آواز پر ہر قربانی کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مَیں اُنہیں سمندر کی گہرائیوں میں چھلانگ کے لئے کہوں تو وہ سمندر میں چھلانگ لگانے کے لئے تیار ہیں۔ مَیں اُنہیں پہاڑوں کی چوٹیوں سے اپنے آپ کو گرانے کے لئے کہوں تو وہ پہاڑوں کی چوٹیوں سے اپنے آپ کو گرادیں۔ مَیں انہیں جلتے تنوروں میں کود جانے کا حکم دوں تو وہ جلتے ہوئے تنوروں میں کود کر دکھادیں۔ اگر خودکشی حرام نہ ہوتی، اگر خودکشی اسلام میں ناجائز نہ ہوتی تو مَیں اس وقت تمہیں یہ نمونہ دکھا سکتا تھا کہ جماعت کے سو آدمیوں کو مَیں اپنے پیٹ میں خنجر مار کر ہلاک ہوجانے کا حکم دیتا اور وہ سو آدمی اسی وقت اپنے پیٹ میں خنجر مار کر مر جاتا۔''

مالی قربانیاں

خلافت احمدیہ کے یہ پروانے گزشتہ سو سال سے خلافت کی اطاعت و وفا میں قربانیوں کے تمام میدانوں میں پیش پیش ہیں۔ گزشتہ سو سال کے زرّیں واقعات کے لئے ہزاروں صفحات پر مشتمل کئی کتب لکھی جاسکتی ہیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ قربانیوں کی یہ داستانیں تاریخ احمدیت میں جابجا رقم ہیں کہ کس طرح غریب احمدیوں نے خلیفۂ وقت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے تنگی تُرشی برداشت کرکے قربانیاں دیں۔ غریب عورتوں نے اپنے قیمتی زیور جی ہاں وہی زیور جس سے ایک عورت کو شدید محبت ہوتی ہے گزشتہ سو سالوں میں کئی مواقع پر خلیفۂ وقت کے قدموں پر نچھاور کئے۔ اس موقع پر خاکسار سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے اُس خطبہ جمعہ سے مالی قربانیوں کے چند ایمان افروز واقعات پیش کرتا ہے جو حضور انور نے وقف جدید کے 54ویں سال کے آغاز کا اعلان فرماتے ہوئے 7 جنوری 2011ء کو ارشاد فرمایا تھا۔ اس خطبہ جمعہ میں حضور انور نے ایشیا افریقہ اور یورپ کے مختلف ملکوں کے احمدیوں کے ایمان افروز واقعات بیان فرمائے تھے۔ مالی قربانیوں کے یہ واقعات بتاتے ہیں کہ جہاں احباب جماعت اللہ کی خاطر خلافت کی محبت میں قربانیاں کرتے ہیں وہیں اللہ کی طرف سے بھی اُن کی قربانیوں کا اس دنیا میں کئی گنا اجر ملتا ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جو اخلاص و وفا کے ان متوالوں کو مرنے کے بعد ملنے والے انعامات کے لئے نہ صرف ایمان کی پختگی عطا کرتی ہے بلکہ صداقت احمدیت کے عظیم الشان دلائل بھی فراہم کرتی ہے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے افریقہ کے ملک نائیجیریا کے شہر لیگوس کا ایک ایمان افروز واقعہ بیان فرمایا جس کا خلاصہ بیان کرتا ہوں۔

لیگوس کے ایک مخلص احمدی الحاجی ابراہیم الحسن صاحب نے تین فلیٹ پر مشتمل اپنا ایک گھر بنایا اور اس سے ملحق ایک مسجد بھی بنائی۔ مسجد کے بارہ میں ان کا ارادہ تھا کہ وہ اس کو جماعت کے حوالہ کردیں گے۔ کہتے ہیں کہ ابھی میں اپنے اس نئے گھر میں شفٹ نہیں ہوا تھا کہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح

الاوّل رضی اللہ عنہ میرے اس نئے گھر میں تشریف لائے ہیں اور آپ کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی پھر خلیفۃ المسیح الثالث پھر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع اور پھر حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ سب کے سب تشریف لائے اور سب سے آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تشریف آوری کے بعد فرمایا یہی اس گھر کے افتتاح کی تقریب ہے اور کوئی افتتاح کی تقریب نہیں ہوگی۔ گویا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ جماعت احمدیہ کی مساجد کا تعلق اب خلافت احمدیہ سے ہے۔ پھر خواب میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام مسجد سے ملحق عمارت میں جس میں تین فلیٹس بنائے ہیں اُن میں سے ایک فلیٹ میں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ یہ بھی مسجد کے ساتھ ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی اور میں نے ارادہ کیا کہ فلیٹ بھی مسجد کے ساتھ ہی جماعت کو بطور مشن ہاؤس دے دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے وہ مسجد اور سارے فلیٹس بطور مشن ہاؤس جماعت کو دے دیئے جس کی کل مالیت نوے ہزار پاؤنڈ بنتی ہے۔ (ہفت روزہ بدر قادیان 17?24 مارچ 2011ء)

گزشتہ سو سالوں میں خلافت احمدیہ کے ان پروانوں نے صرف اموال کی قربانیاں ہی پیش نہیں کی ہیں بلکہ خلافت احمدیہ کی خاطر اطاعت و وفا کے ان پیکروں نے نہایت خوش دلی سے اپنی قیمتی جانوں کے نذرانے بھی پیش کئے ہیں۔ جانوں کے نذرانے پیش کرنے والے اگرچہ انڈونیشیا میں بھی ہیں بنگلہ دیش میں بھی ہیں سری لنکا میں بھی ہیں اور انڈیا میں بھی ہیں اور دیگر ممالک میں بھی ہیں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اطاعت خلافت کے رُوح پرور واقعات اُس وقت تک مکمل ہو ہی نہیں سکتے جب تک پاکستان کے جیالے اور بہادر احمدیوں کا ذکر نہ کیا جائے۔ جب تک خلافت کے ان فدائی پروانوں کی ایمان افروز داستانیں نہ سُنی جائیں۔ پاکستان بننے کے بعد کے گزشتہ چالیس سالوں سے ہی فدائیت کے یہ مجسمے قربانیوں کی ایمان افروز داستانیں رقم کرتے چلے آرہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جنہیں طرح طرح سے ستا کر اور ظلم کر کر کے ان کی زندگیوں کو اجیرن بنا دیا گیا ہے جو بنیادی انسانی حقوق سے بھی محروم کئے جا رہے ہیں اور جو انفرادی قربانیاں بھی پیش کر رہے ہیں اور اجتماعی طور پر بھی جانوں کے نذرانے پیش کرتے چلے آرہے ہیں اور جن کی قربانیوں سے تمام دنیا کے احمدی اپنے ایمانوں کی مضبوطی حاصل کر رہے ہیں۔ باوجود طرح طرح کے ظلموں کو برداشت کرنے کے پھر بھی ہر میدان میں ترقی کرتے چلے جا رہے ہیں۔ اور خلافت احمدیہ سے اخلاص و وفا کا کوئی بھی موقع ہو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ 31 دسمبر 2010ء میں ایسی ہی ایک عظیم الشان ماں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک طالب علم جسے لاہور کی مسجد میں دو گولیاں لگی تھیں۔ جی ہاں وہی لاہور جہاں کی دو احمدیہ مساجد میں 2010ء میں 80 سے زائد احمدیوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے تھے۔ اس نے بتایا کہ جب اس نے زخمی حالت میں ماں کو فون کر کے بتایا کہ اس طرح گولیاں لگی ہیں اور خون بہہ رہا ہے تو بہادر ماں نے جواب دیا کہ بیٹا میں نے تمہیں خدا کے سپرد کیا اگر شہادت مقدر ہے، خبریں آرہی ہیں کہ لوگ شہید ہو رہے ہیں تو جرأت سے جان خدا کے حضور پیش کرنا۔ کسی قسم کی بزدلی نہ دکھانا۔ حضور فرماتے ہیں بہرحال اس بچے کو خدا نے محفوظ رکھا۔ آپریشن سے گولی نکال دی گئی۔ پس جس قوم کی ایسی مائیں ہوں جو اپنے بیٹوں کو شہادت کے لئے تیار کر رہی ہوں ایسے لواحقین ہوں جو آئندہ قربانیوں کے لئے تیار بیٹھے ہوں ایسی قوم کو غلبہ اسلام کی منازل طے کرنے سے کون روک سکتا ہے!۔ (ہفت روزہ بدر قادیان 10 مارچ 2011ء)

پس حقیقت یہ ہے کہ خلافت کی اطاعت اور جانثاری میں ہی ساری برکات ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کی ترقیات اور کامیابیوں کا کیا راز ہے تو آپؓ نے بے ساختہ جواب دیا تھا: Because through all my life I was obedient to Khilafat. یعنی میری کامیابیوں کی وجہ یہ ہے کہ میں تمام زندگی خلافت کا مکمل مطیع اور فرمانبردار رہا ہوں۔ (الفضل 14 جون 2010 صفحہ 4)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز پوری دنیا میں موجود خلافت کے جاں نثاروں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کے فضل سے آج جماعت احمدیہ میں دنیا کے ہر کونے میں ہر ملک میں قربانیوں کے معیار بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور اللہ کے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے جو وعدے ہیں ان کو ہم پورا ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ احمدی کس جرأت سے اور کس قربانی کے جذبے سے اور کس ہمت سے جانی قربانیاں پیش کر رہے ہیں اور مالی قربانیاں بھی پیش کرتے چلے جا رہے ہیں''۔

پھر نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ''فیض پانے کے لئے خدا کی عظمت دلوں میں بٹھانے والے ہوں۔ عملی طور پر خدا تعالیٰ کی توحید کا اظہار کرنے والے ہوں۔ بنی نوع سے سچی ہمدردی کرنے والے ہوں۔ دلوں کو بغضوں اور کینوں سے پاک کرنے والے ہوں ہر ایک نیکی کی راہ پر قدم مارنے والے ہوں۔ اپنے ایمانوں کی حفاظت کرنے والے ہوں۔ کامل اطاعت کا نمونہ دکھانے والے ہوں۔ ایمان میں ترقی کرتے چلے جانے والے ہوں تا کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک ہمارے قدم صدق کے قدم شمار ہوں اور ہم اس کے وعدوں سے فیض پانے والے ہوں۔ آمین''

(خطبہ جمعہ 27 مئی 2011ء بحوالہ ہفت روزہ بدر قادیان ?28 جولائی 2011ء)

......☆......☆......☆......☆......☆......

تعلیمی پرچہ میں نمایاں کارگزاری دکھانے والے انصار

گزشتہ تعلیمی پرچہ میں نمایاں کارکردگی دکھانے والے بعض انصار کے اسماء گزشتہ شماروں میں شائع کئے گئے تھے۔ ذیل میں بعض دیگر مجالس کے چند مزید نام پیش کئے جا رہے ہیں جو 15 ستمبر کے بعد موصول ہوئے ہیں۔

مجلس پٹنی: اعجاز ایوب خان صاحب، رفیع احمد ججہ صاحب، مبشر احمد ندیم صاحب، مبارک احمد شاہد صاحب، محمد عبدالرشید صاحب، رشید احمد صاحب، سراج دین صاحب، مسعود احمد خانصاحب، راجہ انور احمد صاحب، سید سفیر حسین صاحب، امتیاز احمد صاحب، سعید احمد سہگل صاحب، عارف چوہدری صاحب۔

مجلس ٹوٹنگ: رحیم بخش صاحب، عبد الماجد صاحب، سمیع اللہ صاحب، ناصر احمد چٹھہ صاحب، دین محمد صاحب، مظفر احمد مجوکہ صاحب، طاہر محمود گوندل صاحب، عبدالمجید صاحب، تنویر الدین صاحب، عبد الشکور خانصاحب، محمد جمیل انور صاحب، سرفراز احمد صاحب

انصار ڈائجسٹ

فرخ سلطان محمود

سہ ماہی "اسماعیل" لندن

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی وقف نو کی مبارک تحریک میں شامل بچوں اور بچیوں کی تعلیم وتربیت کی طرف خصوصی توجہ ہے۔ آپ اپنے خطبات، خطابات اور مختلف مواقع پر ہونے والی وقف نو کی کلاسز میں اس بارہ میں اپنی زرّیں ہدایات و رہنمائی عطا فرماتے ہیں۔ چند ماہ قبل حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر واقفاتِ نَو کے لئے مرکزی طور پر سہ ماہی رسالہ 'مریم' کا اجراء ہوا تھا۔ اور اب حضور انور کی ہدایت پر مرکزی طور پر واقفین نَو کے لئے ایک تعلیمی وتربیتی مجلّہ سہ ماہی "اسماعیل" جاری کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کا پہلا شمارہ اپریل تا جون 2012ء شائع ہوکر دستیاب ہے۔ اس مجلّہ کے نگران مکرم ڈاکٹر شمیم احمد صاحب انچارج شعبہ وقف نو مرکزیہ لندن ہیں۔ یہ رسالہ اردو اور انگریزی زبان میں ہے۔ اس کے اردو حصہ کے مدیر مکرم محمود احمد ملک صاحب ہیں اور انگریزی حصہ کے مدیر مکرم وحید قریشی صاحب اور مینیجر مکرم مسرور احمد صاحب ہیں۔ اور یہ رسالہ رقیم پریس اسلام آباد سے شائع ہوا ہے۔ یہ رسالہ خوبصورت کور ڈیزائن اور رنگین تصاویر سے بھی مزین ہے۔

اس رسالہ کے پہلے ایڈیشن میں قال اللہ تعالیٰ و قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات کے علاوہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا رسالہ "اسماعیل" کے آغاز پر خصوصی پیغام بھی شامل ہے۔ ذیل میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی پیغام ہدیۂ قارئین ہے۔

"بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم
وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْد
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ۔ ھوالنّاصر

لندن۔12-4-25

پیارے واقفینِ نو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ کہ آپ کا پہلا رسالہ حسن اتفاق سے اس وقت سامنے آرہا ہے جب اس تحریک کے 25 سال بھی پورے ہورہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہر لحاظ سے بابرکت کرے۔ اس کا نام "اسماعیل" رکھا گیا ہے جو ان قربانیوں کی یاد دلاتا ہے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے دیں اور ایک وادی غیر ذی زرع میں اپنی زندگی گزاری اور دین کے لئے قربانی کے اعلیٰ معیار قائم کئے۔ اسی طرح ہر واقفِ نو سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے وقف نو کے عہد کو جو اُن کے ماں باپ نے اُن کی پیدائش سے بھی پہلے کیا اور جس کی تجدید انہوں نے خود کی، اس کو اُس اعلیٰ معیار کے ساتھ نبھانے کی کوشش کریں گے جس کی مثال حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ہمارے سامنے رکھی اور اُن کی قربانیوں کو قبول کرتے ہوئے اُن کی نسل سے اللہ تعالیٰ نے اس انسان کامل کو پیدا کیا جس نے عظیم روحانی انقلاب پیدا کیا اور جنگل کے رہنے والے بدّؤوں کو تعلیمیافتہ انسان بنایا اور پھر باخدا اور خدانما انسان بنادیا اور پھر انہوں نے بھی دین کی خاطر وہ قربانیاں دیں کہ جو اسلام کی تاریخ میں ہمیشہ سنہری حروف سے لکھی جانے والی ہیں۔ وہ ایک باقاعدہ نظام میں شامل نہ ہونے کے باوجود ہر وقت اپنی زندگیاں دین کے لئے وقف رکھتے اور ہر قربانی کے لئے ہمہ وقت مستعد رہتے۔

ہر وقفِ نو جو عملاً وقف کے ایک باقاعدہ نظام میں شامل ہوتا ہے کہ نہیں یعنی جماعت کے مستقل کارکن کی حیثیت سے کام کرتا ہے یا نہیں وہ وقف زندگی بہرحال ہے اور اس کا ہر قول و فعل وقف زندگی کے اعلیٰ معیاروں کے مطابق ہونا چاہئے جس میں سب سے بڑی چیز تقویٰ ہے۔ اسے ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھیں کہ ہم نے تقویٰ پر قائم رہنا ہے اور ہر کام اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کرنا ہے۔ اپنی نمازوں کی بھی حفاظت کرنی ہے اور قرآنی تعلیم پر غور و تدبر کرکے اس کو اپنی زندگیوں پر لاگو کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق کو ہماری اصلاح کے لئے مسیح موعود اور مہدی معہود بنا کر بھیجا ہے اور جن کی بیعت میں آکر ہم نے یہ عہد کیا ہے کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے لیکن یہ ہم اس وقت تک حاصل نہیں کرسکتے جب تک کہ ہم اپنی زندگی کے ہر قول اور فعل کو قرآنی تعلیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے تابع گزارنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اگر ہماری زندگیاں قرآن و سنت کے مطابق اور ان کی جو تشریح اس زمانے کے امام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کی ہے اس کے مطابق گزریں تو تبھی ہم اپنے وقف کے عہد کو حقیقی طور پر نبھا سکتے ہیں۔ خاص طور پر اس معاشرے میں جہاں آزادی کا دور دورہ ہے اور آزادی کے نام پر اخلاقی بے راہ روی ہر جگہ عام نظر آتی ہے۔ اس میں ہم نے اپنے آپ کو ہر لحاظ سے سنبھال کر رکھنا ہے اور ایک نمونہ قائم کرنا ہے تاکہ دوسرے نوجوان بھی اور بچے بھی ہمیں دیکھ کر ہم سے نمونہ حاصل کریں۔ اور اس طرح ہم ہر احمدی بچے اور جوان کے لئے ایک نیک نمونہ بنتے ہوئے ان کی اصلاح کا موجب بننے والے ہوں۔ پس اس بات کو ہمیشہ یاد رکھیں کہ ہم نے اپنی زندگیاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیمات اور ارشادات کی روشنی میں حقیقی اسلامی نمونہ کے مطابق گزارنی ہیں اور یہ تبھی ممکن ہوگا جب آپ ہمیشہ خلافت سے وفا کا تعلق رکھیں گے اور خلیفہ وقت کی ہر نصیحت پر بھرپور عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور ہر بات کا مخاطب سب سے پہلے اپنے آپ کو سمجھیں گے۔ اگر آپ یہ کرلیں تو آپ اس عہد کو نبھانے والے بنیں گے جو آپ نے بحیثیت وقف نو خدا تعالیٰ سے کیا یا آپ کے والدین نے آپ کی پیدائش سے بھی قبل آپ کو وقف کرکے کیا۔ اللہ آپ کو اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین"

اس رسالہ کا اردو حصہ 50 صفحات پر جبکہ انگریزی حصہ 46 صفحات پر مشتمل ہے۔ اردو اور انگریزی حصہ میں خلفاء کرام کے ارشادات وہدایات کے علاوہ متعدد دلچسپ، مفید اور معلوماتی مضامین شامل ہیں۔ یہ رسالہ ہر واقف نو کو ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔ اس رسالہ کے حصول کے لئے حسب ذیل پتہ پر رابطہ کیا جاسکتا ہے:

Waqf-e-nau Department Central
16 Gressenhall Road,
London SW18 5QL, UK

سہ ماہی ''اسماعیل'' کا مذکورہ بالا تعارف اخبار ''الفضل انٹرنیشنل'' 31 اگست 2012ء کی زینت ہے۔ ذیل میں اس رسالہ کے اردو حصہ میں دیئے گئے صرف دو مضامین کا خلاصہ ہدیۂ قارئین ہے:

قناعت اور واقفِ زندگی

(تحریر: عزیزم مشرف احمد متعلم جامعہ احمدیہ یوکے)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور جو اللہ سے ڈرے اُس کے لیے وہ نجات کی کوئی راہ بنا دیتا ہے۔ اور وہ اسے وہاں سے رزق عطا کرتا ہے جہاں سے وہ گمان بھی نہیں کرتا۔ اور جو اللہ پر توکل کرے تو وہ اس کے لئے کافی ہے۔ (سورۃ الطلاق: 4-3)

قناعت کے معروف معنی تھوڑی چیز پر خوش رہنا یا جو مل جائے اس پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے۔ حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے دلی اطمینان اور جسمانی صحت کے ساتھ صبح کی اور اُس کے پاس ایک دن کی خوراک ہے اُس نے گویا ساری دنیا جیت لی اور اُس کی ساری نعمتیں اُسے مل گئیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ایسے قانع اور جفاکش تھے کہ بعض اوقات صرف درختوں کے پتوں پر ہی گزارہ کر لیتے۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 856۔ جدید ایڈیشن)

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ زندگی وقف کردینے سے رزق میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اُن کی یہ سوچ درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ رزاق ہے وہ اپنی خاطر زندگی وقف کرنے والے کو کبھی نہیں چھوڑتا، انہیں بھی رزق عطا فرماتا ہے اور ان کی آنے والی نسل در نسل کو بھی اپنے انعامات سے نوازتا چلا جاتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا اور خواہش کو پورا فرماتے ہوئے ایسے بزرگ مبلغین اپنے فضل سے عطا فرمائے ہیں جن کی قناعت قابل رشک تھی''۔ ''ہمارے ایک مبلغ تھے حضرت سید شاہ محمد صاحب۔ انہوں نے اپنا واقعہ یہ بیان کیا ہے کہ میں متواتر اٹھارہ سال انڈونیشیا میں کام کرتا رہا اور اللہ کے فضل سے میں نے کبھی کسی کے آگے دستِ سوال دراز نہیں کیا۔ اپنا پورا وقار رکھا بہت معمولی الاؤنس (allowance) پر گزارہ ہوتا تھا۔ مشکل سے شاید دو وقت کی روٹی ملتی تھی۔ اپنی ہر حاجت کے لیے اپنے ربّ کا دروازہ کھٹکھٹاتا رہا اور وہ میری حاجت روائی کرتا رہا۔ کہتے ہیں جب اٹھارہ سال بعد میری واپسی ہوئی تو میں بڑا خوش تھا۔ بحری جہاز کے ذریعے سے پاکستان روانہ ہوا اور کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک پرانی اچکن تھی اور دو ایک شلوار قمیص کے دھلے ہوئے جوڑے تھے۔ اور کچھ نہیں تھا۔ کہتے ہیں میں بحری جہاز پر سفر کر رہا تھا۔ ہوائی جہاز کا تو اس وقت تصور ہی نہ تھا۔ راستے میں مجھے خیال آیا کہ میں اتنے عرصے بعد ملک واپس جا رہا ہوں اور میرے پاس نئے کپڑے بھی نہیں ہیں۔ جنہیں پہن کہ میں ربوہ کے ریلوے اسٹیشن پر اتروں گا۔ اس وقت مبلغین کراچی آیا کرتے تھے پھر وہاں سے ٹرین پر ربوہ پہنچتے تھے۔ تو کہتے ہیں میں اپنی خیالات میں تھا اور دعاؤں میں لگا ہوا تھا کہ میرے دل میں خیال آیا کہ مجھے دل میں بھی اس قسم کی خواہش نہیں کرنی چاہئے تھی۔ یہ وقف کی روح کے خلاف ہے۔ کہتے ہیں میں نے اس پر بڑی توبہ استغفار کی۔ اور پھر چند دن بعد جہاز سنگاپور میں پورٹ پر رُکا کہتے ہیں میں جہاز کے عرشے پہ کھڑا، ڈیک پہ کھڑا نظارہ کر رہا تھا کہ میں نے ایک شخص کو ایک گٹھڑی اٹھائے ہوئے جہاز پر چڑھتے دیکھا وہ سیدھا جہاز کے کپتان کے پاس آیا اور اس سے کچھ پوچھنے لگا۔ کپتان نے اسے میرے پاس بھیج دیا۔ وہ مجھ سے گلے ملا۔ بغل گیر ہو گیا اور کہا کہ وہ احمدی ہے اور درزی کا کام کرتا ہے اُس نے بتایا کہ جب الفضل میں مَیں نے پڑھا کہ آپ آ رہے ہیں اور رستے میں سنگاپور رکیں گے تو مجھے خواہش پیدا ہوئی کہ مَیں آپ کے لیے کوئی تحفہ پیش کروں اور آپ کی تصویریں مَیں نے دیکھی ہوئی تھیں۔ قد کاٹھ کا اندازہ تھا مَیں نے آپ کے لئے کپڑوں کے دو جوڑے سیے ہیں اور ایک اچکن اور ایک پگڑی تیار کی ہے۔ درزی ہوں اور یہی کچھ پیش کرسکتا ہوں آپ اسے قبول کریں۔ تو حضرت شاہ صاحب کہتے ہیں کہ یہ سُن کر میری آنکھوں میں آنسو آگئے کہ کس طرح میرے خدا نے میری خواہش کو پورا کرنے کے لئے ایک احمدی کے دل میں تحریک کی جسے مَیں نہیں جانتا تھا اور نہ وہ مجھے جانتا تھا۔ وہ مبلغین کو اور مربیان کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر مبلغ صرف آستانہ الٰہی پر جھکا رہے کسی کے آگے دست سوال دراز نہ کرے تو اللہ تعالیٰ غیب سے اس کے لئے سامان مہیا کردیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ واقفین زندگی سے، صرف مبلغین نہیں، ہر واقف زندگی سے یہ سلوک کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میدان عمل میں آج بھی یہ نظارے دِکھتے ہیں''۔ (خطبہ 22 اکتوبر 2010ء)

وقف ایک قربانی ہے اور وہ تنگ دروازہ ہے جس سے گزرنا مشکل ہے۔ مگر اس کے ساتھ اتنی برکات ہیں کہ وقف کی ہر تنگی خوشحالی میں ساتھ ساتھ بدل رہی ہوتی ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ قناعت کا ذکر کرتے ہوئے نصیحتاً فرماتے ہیں کہ: ''ایک کمزور انسان کہتا ہے مَیں خدا کے لئے اپنی زندگی کو کس طرح وقف کروں۔ میں نے خدا کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تو میں بھوکا مر جاؤں گا۔ میری بیوی بچے کیا کھائیں گے ہم اپنا معیار زندگی کس طرح قائم رکھ سکیں گے اور اگر یہ لالچ اس کے دل میں آجائے تو وہ خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب مَیں کائنات عالم کی اتنی بڑی مخلوق کو رزق پہنچا رہا ہوں تو اگر تم میری آواز پر لبیک کہتے ہوئے آگے آؤ تو کیا میں تمہیں بھوکا مرنے دوں گا؟ فرمایا، اس بدظنی کو اپنے دل سے نکال دو بلکہ نڈر اور بہادر بن کر خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے آگے بڑھو''۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

وقارِ عمل

(تحریر: مکرم ڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب OBE)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے جماعت احمدیہ کی خصوصی طور پر اور انسانیت کی عمومی طور پر دینی اور دنیوی فلاح و بہبود اور ترقی کے لئے جن عظیم الشان اصلاحات اور تحریکات کو جاری فرمایا ان میں سے وقار عمل کو ایک بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ دنیا آجکل جس اقتصادی اور بیروزگاری کے بحران میں جکڑی ہوئی ہے۔ اس کا حل وقارعمل کی روح کو زندہ کرنے اور زندہ رکھنے میں ہے۔ وقار عمل ہی قومی اور انفرادی وقار اور عظمت کا حامل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی انسان کو ایسا بنایا ہے کہ وہ محنت اور مشقت سے کام کرے اور کسی کام کو عار نہ سمجھے۔ فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ (سورۃ البلد: 5) یقیناً ہم نے انسان کو ایک مسلسل محنت میں (رہنے کے لئے) پیدا کیا۔ غرض کامیابی کے جتنے بھی راستے دنیا میں پائے جاتے ہیں وہ سب کے سب محنت اور مشقت سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنے ربّ سے ملنے کے لئے بھی محنت مشقت لازم ہے۔ جیسا کہ (سورۃ الانشقاق آیت 7 میں) فرمایا: یَا اَیُّھَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْہِ یعنی ''اے انسان تو پوری جدوجہد کرے گا پوری محنت کرے گا اپنے ربّ کی طرف جانے کی تو اس سے جا کر مل ہی جائے گا''۔

خدام الاحمدیہ اور انصاراللہ کے قیام کا اصل مقصد یہ ہے کہ جماعت میں مشقت طلب کاموں کی عادت پیدا ہو اور خدا کے پانے کے لئے ہر خادم اور ہر ناصر ہر

وقت خدا کے کام محنت اور مشقت سے کرنے کے لئے تیار ہو اور کسی بھی کام کو عار نہ سمجھے۔ اور کوئی بھی موقع خدمت کا ہاتھ سے نہ جانے دے۔ اور اس کے اجر کے لئے صرف اور صرف مُلَاقِیْہِ کی تڑپ ہو۔ اور کسی دنیوی فائدہ یا معاوضہ سے غرض نہ ہو۔

جماعت احمدیہ کا دنیا کو ششدر کرنے والا ایک امتیازی نشان یہ بھی ہے کہ ہزاروں ہزار نوجوان مرد، عورتیں اور بچے ہمہ وقت اور ہمہ تن جماعت کی خدمت پر مامور ہیں۔ کسی دنیوی اجرت کا خیال تک نہیں، صرف اپنے محبوب کی رضا و خوشنودی کی تمنا ہے۔ وقار عمل کی روح سے ہی طوعی خدمت یعنی volunteer service کا جذبہ جنم لیتا اور زندہ رہتا ہے۔

اعمال کی دو بڑی شاخیں حقوق اللہ اور حقوق العباد ہیں۔ حقوق اللہ ارکان اسلام کی بجا آوری سے متعلق ہے اور حقوق العباد میں بعض اعمال کا تعلق بندے کی اپنی ذات سے اور بعض کا مقصد دوسروں کو نفع پہنچانے سے وابستہ ہے۔ فلاح و بہبود اور فیض رسانی کے جذبہ سے وہی ہمکنار ہوسکتا ہے جو ایثار اور قربانی سے سرشار ہو اور اس کے لئے تن من دھن قربان کرنے میں کوئی دریغ نہ کرے۔ حقوق العباد کے اس مقصد کی تکمیل کے لئے مجلس خدام الاحمدیہ کا جب قیام عمل میں آیا تو حضرت مصلح موعودؓ نے جماعت کے نوجوانوں میں ایثار کی روح کو قائم کرنے کے لئے انہیں ایک عہد دیا۔ جس کے الفاظ میں یہ حصہ شامل ہے کہ "میں اپنی جان، مال، وقت اور عزت کو قربان کرنے کے لئے ہر دم تیار رہوں گا"۔ ان الفاظ میں جن طاقتوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ سب طاقتیں انسان کو اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمائی ہیں۔ اور جب ان کا برمحل استعمال مخلوق خدا کو فیض پہنچانے کا موجب ہو تو یہ اس رنگ میں صدقہ جاریہ بن جاتا ہے۔

آنحضور ﷺ کی حدیث ہے کہ ہر روز جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو انسان کے ہر جوڑ پر صدقہ واجب ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی دو آدمیوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرے تو یہ صدقہ ہے۔ کسی آدمی کو سوار ہونے میں مدد کرے، سواری پر بٹھائے یا اپنی سواری پر اس کا سامان رکھے، کسی تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹا دے تو یہ صدقہ ہے۔ (مشکوٰۃ)

آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ایثار کا وصف ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ آپ گھر کے کام کاج خود کرلیا کرتے تھے۔ پھٹا ہوا کپڑا سی لیتے۔ جوتا مرمت کرلیتے۔ گھر کی صفائی کرلیتے۔ جو لوگ بازار جانے سے معذور ہوں ان کا سودا سلف خرید لایا کرتے تھے۔

یہی صورت آپ کی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی زندگی میں بھی نظر آتی ہے۔ تنگدستی کے عالم میں جبکہ کوئی خادمہ موجود نہ تھی خود چکی پیستیں اور خود ہی پانی کی مشک بھر کر لاتیں۔ آنحضور ﷺ کی قوت قدسیہ نے پھر یہی رنگ آپ کے صحابہ کو بھی عطا کیا۔ اور پھر آخری زمانہ میں جن لوگوں نے ان سے آملنا تھا ان میں بھی یہی روح کارفرما کردی۔ خاص طور پر نوجوانوں کو اس بات کی تربیت دی گئی کہ وہ اپنے ہاتھ سے تمام کام کرنے کی عادت ڈالیں کہ اس عادت میں جہاں بہت برکت ہے وہاں اس میں ایک وقار بھی ہے۔

ہمارے آقا و ہادی ﷺ کا یہی اسوۂ حسنہ ہے۔ چنانچہ مسجد صفہ کی تعمیر کا جب مرحلہ درپیش ہوا تو آپ نے مزدوروں کی طرح اس میں حصہ لیا۔ تعمیر کعبہ کے موقع پر آپ بھی باقی لوگوں کے ساتھ مل کر پتھر اٹھا اٹھا کر جمع کرتے اور تعمیر کے کام میں شامل ہوتے۔

ایک سفر کے دوران آپ صحابہ کے ساتھ ایک مقام پر کچھ آرام کے لئے اترے۔ صحابہ نے مختلف کام آپس میں تقسیم کئے اور کھانے کی تیاری کرنے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں بھی تمہارے ساتھ شامل ہوتا ہوں۔ صحابہؓ کے اصرار کے باوجود آپ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ آپ جنگل میں جا کر لکڑیاں کاٹ کر لائیں گے۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی فرمایا۔

ہجرت مدینہ کے بعد آپ کا سب سے پہلا کام مسجد نبوی کی تعمیر تھا۔ اس میں صحابہ نے معماروں اور مزدوروں کا کام کیا۔ جس میں کبھی کبھی خود آنحضرت ﷺ بھی شرکت فرماتے۔ بعض اوقات اینٹیں اٹھاتے ہوئے صحابہ کے ساتھ مل کر با آواز بلند اشعار پڑھتے۔

غزوہ خندق کے موقع پر خندق کی کھدائی میں آنحضور ﷺ نے بھی صحابہ کے دوش بدوش حصہ لیا۔ اس غرض کے لئے جو دس دس ٹولیاں مقرر ہوئی تھیں انہوں نے اپنے کام کی اندرونی تقسیم اس طرح کی تھی کہ کچھ آدمی کھدائی کرتے تھے اور کچھ مٹی اور پتھروں کو ٹوکریوں میں بھر بھر کر اپنے کندھوں پر لاد کر باہر پھینکتے جاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ بھی بیشتر حصہ اپنے وقت کا خندق کے پاس گزارتے تھے اور بسا اوقات خود بھی صحابہ کے ساتھ مل کر کھدائی اور مٹی کی ڈھلائی کا کام کرتے تھے اور ان کی طبیعتوں میں شگفتگی قائم رکھنے کے لئے بعض اوقات کام کرتے ہوئے شعر پڑھنے لگ جاتے تھے جس پر صحابہ بھی آپ کے ساتھ سُر ملا کر وہی شعر دہراتے تھے۔ ایک صحابی کی روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو ایسے وقت میں اشعار پڑھتے ہوئے سنا کہ آپ کا جسم مبارک مٹی اٹھانے کی وجہ سے گرد وغبار سے بالکل ڈھکا ہوا تھا۔ پھر بھوک اور فاقہ کشی کا یہ عالم تھا کہ صحابہ کا کہنا ہے کہ خود سرور کائنات پر کئی کئی وقت کا فاقہ آجاتا تھا۔ اور آپ اس کی تکلیف سے بچنے کے لئے پیٹ پر پتھر باندھے ہوتے تھے۔ اس تنگی اور شدت کی حالت میں خندق کھودتے کھودتے ایک جگہ سے ایک پتھر نکلا جو کسی طرح ٹوٹنے میں نہ آتا تھا اور صحابہ کا یہ حال تھا کہ وہ تین دن کے مسلسل فاقہ سے سخت نڈھال ہو رہے تھے۔ آخر تنگ آکر وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ایک پتھر ہے جو ٹوٹنے میں نہیں آتا۔ اس وقت آپ کا بھی یہ حال تھا کہ بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ رکھا تھا مگر آپ فوراً وہاں تشریف لے گئے اور ایک کدال لے کر اللہ کا نام لیتے ہوئے اس پتھر پر ماری۔ لوہے کے لگنے سے اس پتھر میں سے ایک شعلہ نکلا جس پر آپ نے زور کے ساتھ اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ مجھے مملکت شام کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ اور خدا کی قسم اس وقت شام کے سرخ محلات میری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ اس ضرب سے وہ پتھر کسی قدر شکستہ ہوگیا۔ دوسری دفعہ آپ نے پھر اللہ کا نام لے کر کدال چلائی اور پھر ایک شعلہ نکلا جس پر آپ نے پھر اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ اس دفعہ مجھے فارس کی کنجیاں دی گئی ہیں اور مدائن کے سفید محلات مجھے نظر آرہے ہیں۔ اس دفعہ پتھر کسی قدر زیادہ شکستہ ہوگیا۔ تیسری دفعہ آپ نے پھر کدال ماری جس کے نتیجہ میں پھر ایک شعلہ نکلا اور آپ نے پھر اللہ اکبر کہا اور فرمایا: اب مجھے یمن کی کنجیاں دی گئی ہیں اور خدا کی قسم صنعاء کے دروازے مجھے دکھائے جارہے ہیں۔ اس دفعہ پتھر بالکل شکستہ ہوکر اپنی جگہ سے گر گیا۔

مہمان کے آنے پر خود اٹھ کر دروازہ کی کنڈی کھولنا اور اسے واپسی پر رخصت کرنے کے لئے باہر دروازہ تک آنا آپ کا طریق مبارک تھا۔

ایک عیسائی مہمان نے رات کو آپ کے ہاں قیام کیا اور پیٹ کی خرابی کی وجہ سے بستر گندا کر دیا۔ شرم کی وجہ سے صبح سویرے وہ خاموشی سے نکل گیا۔ لیکن بھولی ہوئی چیز لینے کے لئے اسے واپس آنا پڑا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ آنحضرت ﷺ خود اس کے گندے کئے ہوئے بستر کی صفائی کررہے تھے۔ صحابہ نے عرض بھی کیا کہ ہم حاضر ہیں لیکن آپ نے فرمایا کہ نہیں میں یہ کام خود کروں گا وہ میرا مہمان تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ

فرائض کی طرح محنت کی کمائی بھی فرض ہے۔ حضرت مقدادؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اپنے ہاتھ سے کمائی ہوئی روزی سے بہتر کوئی روزی نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داؤدؑ اپنے ہاتھ کی کمائی کھایا کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہر نبی نے قبل از بعثت بکریاں چرائی ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا: کیا حضورؐ نے بھی؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں کچھ معاوضہ پر مَیں بھی مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری سوالی بن کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے اسے فرمایا کہ تیرے لئے خود کما کر کھانا اس بات سے زیادہ اچھا ہے کہ تو در در مانگتا پھرے اور قیامت کے دن اس حالت میں اللہ کے حضور آئے کہ تیرا چہرہ خراش زدہ ہو۔

حضرت زبیرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو شخص رسی لے کر جنگل میں جاتا ہے اور وہاں سے لکڑیوں کا گٹھا اپنی پیٹھ پر اٹھا کر بازار میں آکر اسے بیچتا ہے اور اس طرح اپنا گزارا چلاتا ہے اور اپنی آبرو اور خودداری پر حرف نہیں آنے دیتا وہ بہت ہی معزز ہے۔ اور اس کا یہ طرز عمل لوگوں سے بھیک مانگنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ نہ معلوم وہ لوگ اس کے مانگنے پر اسے کچھ دیں یا نہ دیں۔ اسی طرح حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو سوال کرنے سے بچنا چاہیے۔ اوپر والا ہاتھ جو خرچ کرنے والا ہے نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

جماعت احمدیہ کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو وقارِعمل کی صورت میں یہی روح کارفرما نظر آتی ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اس کو ایک اجتماعی شکل عطا فرمائی اور روزمرہ کے معمول کے علاوہ اجتماعی پروگرام ترتیب دئے گئے۔ قادیان جو ایک چھوٹا سا قصبہ تھا اسے نوجوانوں کی اس افرادی قوت نے اپنے ایمان اور اخلاص سے صاف ستھرا قصبہ بنا دیا تھا۔ وقارِعمل کے اثرات دیکھتے ہی دیکھتے جماعتوں میں پھیل گئے جس کے نتیجہ میں ہر جگہ اسوہ حسنہ ﷺ پر چلنے والے معاشرہ نے جنم لیا۔ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت جڑ پکڑ گئی۔ اپنے اڑوس پڑوس کی گندگیوں کو اپنے ہاتھ سے صاف کیا گیا۔ گندے پانی کے بہاؤ کو رستوں سے علیحدہ کیا گیا۔ اور عوام الناس کے لئے سہولتیں پیدا کی گئیں۔

قیام پاکستان کے بعد یہ شعبہ اَور بھی مضبوط بنایا گیا اور ملکی ضروریات کو مدّنظر رکھتے ہوئے وقارِعمل کی روح کو دوام دیا گیا۔ جس کی کئی عملی صورتیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ مثلاً 50ء کی دہائی میں صوبہ پنجاب کو طوفان بادوباراں اور سیلاب نے سخت تباہی سے دوچار کیا۔ اس موقع پر خدام الاحمدیہ نے جس جانفشانی سے مصیبت زدگان کی موقع پر مدد کی، اس بارہ میں اس وقت کے اخبارات نے خبریں شائع کیں اور خدام کے کام کو سراہا گیا۔ وزیراعظم پاکستان اور ہلال احمر (ریڈکراس) سوسائٹی کی طرف سے شکریہ کے پیغامات ملے۔ جماعت نے ایک جامع ریلیف سکیم تیار کی۔ جس کی ٹیم میں ڈاکٹرز، انجینئرز اور معماروں کو شامل کیا گیا۔

پاکستان میں عالمگیر جماعت احمدیہ کے مرکز ربوہ کا قیام خود اپنی جگہ اپنی مدد آپ کرنے کا حاصل ہے۔ محدود وسائل کے باوجود چند دیوانے ربوہ کے ریگزار میں اپنے ہاتھ سے Tents لگاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ دن کو جھلسا دینے والی دھوپ، پانی کی نایابی اور شدید آندھیوں کے تھپیڑے ان کے کسی کام میں رکاوٹ نہ ڈال سکے اور بالآخر ربوہ کی آبادکاری ایک حقیقت بن کر ابھری۔ اُس وقت کے اخبارات نے اس روح سے متاثر ہو کر تحسین آمیز نوٹ شائع کئے کہ ربوہ کا قیام تمام پاکستانیوں کیلئے نئے ولولہ کا پیغام اور ایک سبق ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایت تھی کہ خدام صرف ممبران سے ہی کام نہ لیا کریں بلکہ باقی جماعت کے دوستوں کو بھی اپنے ساتھ وقارِعمل میں شامل کر لیا کریں اور ہو سکے تو مجھے بھی کام کرنے کے لئے بلا لیا کریں۔

چنانچہ جماعت احمدیہ نے اس روح کو اسی طرح زندہ رکھا جیسا کہ حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا تھا۔ اس روح نے نوجوانوں کے اخلاق و اقدار بدل ڈالے جن میں جذبۂ خدمت خلق، قوت ایمانی اور ادنیٰ ادنیٰ کاموں سے عار نہ کرنے کا جذبہ اس حد تک ودیعت پا گیا جو اُن کے سینوں میں ایسے انقلاب کا موجب ہوا جو ہر ضرورت کے وقت ابھر کر باہر آ جاتا تھا۔ مساجد کی تعمیر کا معاملہ ہو، مشن ہاؤسز کی تزئین کا کام ہو تو اس کی ان گنت مثالیں موجود ہیں۔ جماعت احمدیہ برطانیہ کے مرکز بیت الفتوح اور دیگر مراکز کو دیکھ لیجئے۔ ہر جگہ آپ کو خدام اور جماعت کے مخلصین کے اخلاص کا پتہ دے گی جو انہوں نے وقارِعمل کے رنگ میں دکھایا۔

پھر جلسہ سالانہ کے انتظامات کا اندازہ کیجئے۔ کس قدر وسیع کام ہے جو سال بسال باقاعدگی کے ساتھ حسن انتظام کے ساتھ ہو رہا ہے۔ کس قدر محنت اور مشقت اس کی نذر ہوتی ہے۔ اس کے لئے دن رات ایک کر دینے والی افرادی قوت کے جذبے، شوق اور ولولے ہر دیکھنے والے کو متعجب کر دیتے ہیں اور وہ بے اختیار عش عش کر اٹھتے ہیں۔ وقارِعمل کرنے والے اس محنت کو سعادت سمجھتے ہوئے گھروں کو لوٹتے ہیں۔ اور خواہش رکھتے ہیں کہ انہیں بار بار ایسا موقع ملتا چلا جائے۔

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ کوئی جائز کام اور پیشہ ذلیل نہیں۔ فرمایا: ''جب تک ہم یہ احساس نہ مٹا دیں کہ بعض کام ذلیل ہیں اور ان کو کرنا ہتک ہے یا یہ کہ ہاتھ سے کما کر کھانا ذلّت ہے اس وقت تک ہم دنیا سے غلامی کو نہیں مٹا سکتے۔ لوہار، بڑھئی، دھوبی، نائی غرضیکہ کسی کا کام ذلیل نہیں۔ یہ سارے کام دراصل لوگ خود کرتے ہیں۔ ہر شخص تزئین کا کام کرتا ہے اپنی داڑھی مونچھوں کی صفائی کرتا ہے یہی حجام کا کام ہے۔ بچہ پیشاب کر دے تو امیر غریب ہر ایک اسے دھوتا ہے جو دھوبی کا کام ہے۔ تو یہ سب کام انسان کسی نہ کسی رنگ میں خود کرتا ہے۔ مگر اس طرح کہ کسی کو پتہ نہ لگے اور خود بھی محسوس نہ کرے۔ لیکن ہم چاہتے ہیں وہ ایسے رنگ میں کرے کہ وہ سمجھتا ہو کہ گو یہ کام برا سمجھا جاتا ہے مگر دراصل برا نہیں اور اس کے کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ہر انسان اپنی طہارت کرتا ہے۔ یہ کیا ہے یہی چوہڑوں والا کام، نہ کرے تو لوگ اسے پاگل سمجھتے اور اس سے زیادہ غلیظ اور کوئی نہیں ہوتا۔

...... جس قوم میں یہ عادت پیدا ہو جائے اس کی اقتصادی حالت اچھی ہو جائے گی۔ اس سے سوال کی عادت دور ہو جائے گی۔ اس کے افراد میں سستی پیدا نہیں ہوگی۔ پھر جن لوگوں کی اقتصادی حالت اچھی ہو گی وہ چندے بھی زیادہ دے سکیں گے۔ بچوں کو تعلیم دلا سکیں گے اور اس طرح ان کی اخلاقی حالت درست ہو گی۔ تو اس کے اور بھی بہت سے فوائد ہیں مگر سب سے اہم امر یہ ہے کہ اس سے مذہب کو تقویت ہوتی ہے اور دنیا سے غلامی مٹتی ہے۔ جب تک دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جن کو ہاتھ سے کام کرنے کی عادت نہیں وہ کوشش کریں گے کہ ایسے لوگ دنیا میں موجود رہیں جو ان کی خدمت کرتے رہیں اور دنیا ترقی نہ کرے۔ میری غرض یہ ہے کہ اس کام کو نہایت اہمیت دی جائے اور پورے اہتمام سے شروع کیا جائے......''

(مشعل راہ صفحہ 151-150)

نوٹ: اگر آپ بھی اپنی کسی پسندیدہ کتاب کا تعارف ''انصار ڈائجسٹ'' کی زینت بنانے کے خواہشمند ہیں تو براہ کرم درج ذیل فون نمبر پر رابطہ فرمائیں:

07947408144